اَساس

شعرِ عقیدت

سرشار صدیقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اساس

شعرِ عقیدت

سرشار صدیقی

طاہرہ کشفی میموریل سوسائٹی

بہ اشتراک

اثاثہ ناشرین ادب

جی پی او بکس ۳۱۶، کوئٹہ، پاکستان

سرشار صدیقی

پیدائش: کان پور۔ دسمبر ۱۹۲۶ء
ترکِ وطن: مئی ۱۹۵۰ء (کراچی)
مصروفیات: مطالعہ، تصنیف اور اشتہار سازی

کتابیں:

ابجد (ابتدائی شاعری)
پتھر کی لکیر (پہلا انتخاب)
زخمِ گل (طویل منظوم تمثیل)
حرفِ مکرر (اہم کتابوں پر تبصرے)
بے نام (نظمیں اور غزلیں)
خزاں کی آخری شام (قومی شاعری)

زیرِ طبع: "اندازِ بیاں اور" (شاعری)

اساس

.....

سال اشاعت : ۱۹۹۰ء مطابق ۱۴۱۰ھ
تعداد : ایک ہزار
کمپوزنگ : کتابت بیورو سروسز
طباعت : پرنٹنگ پیکیجنگ اینڈ پیپر کنورٹینگ کارپوریشن اسلام آباد
ناشر : اثاثہ.. ناشرین ادب بہ اشتراک طاہرہ کشفی میموریل سوسائٹی
تقسیم کنندہ گان : عتیق پبلشنگ ہاؤس لاہور
قیمت : مجلد ۶۰ روپے
: غیر مجلد ۵۰ روپے

ذرا اک لمحہ

"اثاثہ" خواتین کا اشاعت گھر ہے۔ ہماری مراد یہ ہے کہ اسے ہمارے خیال نے جنم دیا۔ ویسے زندگی میں عورت مرد کے بغیر اور مرد عورت کے بغیر اپنا اور اس کائنات کا توازن برقرار نہیں رکھ سکتے۔ یہ سچا ادراک ہم کو اسلام نے عطا کیا ہے، ویسے اس روشن سچائی پر ہر دور میں استحصال، جبر، ظلم جیسے نعروں کے ذریعہ سیاہی ملنے کی کوشش کی جاتی رہی۔ دوسروں کی طرف سے بھی اور اپنوں کی طرف سے بھی اور معاشرے میں اس دور میں تو ویسے بھی ظلمت زیادہ ہے۔

اثاثہ کے قیام کے ارادے کے بعد مسودوں کے حصول اور انتخاب کا مسئلہ سامنے آیا اور شاید یہ ہمارے حسن نیت کا اجر ہے کہ ہمیں اپنے ادارے، اپنی ذات اور اپنے معاشرے کی اساس حاصل ہو گئی۔ اللہ سے وابستگی اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور پیروی ہی اس ملت کی اساس اور بنیاد ہے

سرشار صدیقی صاحب نے اس مجموعہ کے موضوعات کو شعر عقیدت کا نام دے کر سلیقے سے مجموعے کا احاطہ کر لیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ان دنوں ہمارے ادب کے خدوخال میں عقیدت کے جذبہ کی نمود بہت واضح ہے، مگر سرشار صاحب نے اس کی جہات میں ایک اور جہت نکالی ہے۔ اس مجموعہ میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ ماجدہ کے ساتھ ساتھ اصحاب رسول، امہات المومنین اور حضورؐ کی والدہ کے ذکر کا نور بھی ہے.... ان بابرکت شخصیتوں کا شمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا سیاق وسباق ہے۔

اس مجموعہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسا حوالہ ہیں جو سرکار

ختمی مرتبت کے دور سے لے کر سرشار صدیقی کے عہد تک تسلسل کی علامت بن گئے ہیں شاعر کا کہنا ہے۔

جز نسبت صدیقیؓ کا نام و نسب اپنا

اور اس مجموعہ کا اختتام بھی اسی نسبت سے ہوا ہے۔

اگلی کتاب بھی انشاءاللہ ایسے موضوع پر ہو گی جس کی اساس بھی ان ابدی و دائمی "بنیادوں" پر استوار ہو گی جو ہمارا املی اثاثہ ہیں۔

یہ نعتیہ مجموعہ جناب ایس ایچ ہاشمی اور مولانا عبدالقدوس ہاشمی اکیڈمی کے عملی تعاون کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ ہاشمی صاحب اپنے والد محترم علیہ الرحمۃ کی یاد کو علمی اور ادبی سطح پر ایک قائم رہنے والا نقش بنا رہے ہیں۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

بلقیس شاہین

شہرِ علمؑ

کے حوالے سے

فصیلِ صدق و یقینؓ

کے نام:

وہ شہرِ علمؑ، فصیلِ یقیںؓ میں ہے آباد

حصارِ بازوئے صدیقؓ ہے کہ شہر پناہ

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اساس

ساری دنیا میں انسان اپنی جڑوں کی تلاش کر رہا ہے، اپنی اساس کو دریافت کرنے کی سعی و کوشش کی جا رہی ہے۔ اس تلاش کی ایک شکل تو ROOTS ہے اور دوسری صورت "اساس"۔ پہلی شکل تو محض ایک ماضی اور اپنے اجداد سے اپنے کو وابستہ کرنے کی تحریک ہے اور دوسری صورت اپنی روایات، اپنی ذات، اپنے حقیقی وجود، اپنے "اسم" کے تلازموں، اپنے حال، اس کائنات، اپنی آنے والی منزل اور اپنے دارالقرار کے تعین اور دید کو اپنے لئے اور دوسروں کے لئے منکشف کرنے کی کوشش ہے۔ یہ وہ کوشش ہے جو مُرشدِ روم کے استعارے کے مطابق گریۂ نَے ہے۔ روحِ انسانی نَے بن کر اپنے نیستاں اور نَے نواز کی تلاش میں گریہ کناں ہے۔

سرشار کی روح عالم ارواح سے عالم اجسام میں آئی اور ہنگامۂ گوش و نظر میں گم ہو گئی۔ اپنی اُن سعادتوں سے دور ہو گئی جو نیستاں میں اس کا حصہ تھیں اور عالم اجسام کی لذتوں میں گم ہو گئی، مگر ایک خلش تھی جو ہنگامۂ نشاط میں بھی اسے پریشان رکھتی۔ پھر یوں ہوا ایک سعادت آثار ساعت میں اس روح نے دنیا کی سب سے سادہ عمارت کے سامنے اس عمارت کے آئینے میں اپنے آپ کو پالیا اور پھر اس کے

ہونٹوں پر یہ نغمہ ابھرا

جو میری روح نے پیماں کیا تھا روزِ ازل
میں اپنے آخری لمحوں میں اس کا ایفا ہوں

اور اس گھڑی سے اب تک

بشنواز نے چوں حکایت می کند
وزجدائیہا شکایت می کند

اور اب ہر لمحہ ذہنی اور جذباتی طور پر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ غلام اور امتی اپنے رفیق الاعلیٰ سے ملاقات کے لئے آمادہ ہے اور حافظ شیراز کی طرح وہ بھی اس منزل ویراں کا باسی نہیں بلکہ شہر ابد کی طرف سفر کرنے والا ایک راہی ہے اور اس کا یہی قول ہے

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم
راحت جاں طلبم وزپئے جاناں بروم

شعوری طور پر "اسلام" قبول کرنے سے پہلے بھی سرشار صدیقی کی رگوں میں اپنے جدِ مکرم کا جو خون لہریں مار رہا تھا اس نے سرشار کو نبیٔ اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات سے کبھی باغی نہیں ہونے دیا۔ یہ اس کی نہیں بلکہ اُن کے لہو کی تصدیق تھی۔ "ابجد" اور "بے نام" میں بھی اُسؓ نام کے نغمے ہیں جو غار میں "ثانی اثنین" تھا، جس کا سر اس کے دوست کے زانو پر تھا اور جو اپنے صاحبؐ کے روئے انور کی تلاوت کر رہا تھا۔ اس لمحے کی روشنی ظلمتوں کے دور میں بھی سرشار کی زندگی کو منور کر رہی تھی اور اس کا سبب سرکار ختمی مرتبت کا یہ قول تھا کہ اوّل ماخلق اللہ نوری" اور "روح محمدیؐ سے تمام دوسری روحیں پھوٹیں اور اس طرح پھوٹیں کہ جس طرح درخت سے شاخیں پھوٹتی ہیں"۔ (مولانا آزاد سبحانی) سرشار اپنے علم اور اختیار کے بغیر شجر محمدی کا ایک پتہ تھا اور اس بات کا شعوری ادراک سرشار کو ۱۳ مارچ ۱۹۸۴ء کو

روضۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہوا۔

مدینے والے سے سب کچھ بتادیا میں نے
بہت سکون ہے گناہوں کے اعتراف کے بعد

اور اس اعتراف کے بعد ہی سرشار نے اپنے آپ کو "نومسلم" کہا۔ اسلام نام ہے اپنے نفس کو اس کے تابع بنانے کا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے آئے۔ یہ بات سرشار صدیقی کی زندگی کی حقیقت اُس جگہ بنی جو زمین کا مقدس ترین ٹکڑا ہے۔ حرم کعبہ سے بھی زیادہ محترم

وہ زمین ہے تو مگر اے خواب گاہ مصطفیٰؐ
دید ہے کعبے کو تیری حج اکبر سے سوا

سرشار نے یہ نکتہ روضۂ رسول سے حاصل کیا "لاترفعوااصواتکم فوق صوت النبی" اپنی آواز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو۔ یہی اسلام ہے۔ یہی اطاعت ہے۔ اور اس حقیقت تک جب سرشار کی رسائی ہوئی تو عملی زندگی میں نگاہیں جھکی جھکی رہنے لگیں، زیست کے قرینے بدل گئے، دوستی کی شرائط اور معیار کا ازسرنو تعین ہوا اور فکری و جذباتی وجود بھی نئے سانچے میں ڈھل گیا۔ سرشار نے اپنے لہجے کو نئے آداب میں ڈھالا۔ اسے ایک ایسا لہجہ صحن حرم میں عطا ہوا۔ جس میں اب انا کے تماشائے یک رنگ کی جگہ عجز کا جلوۂ صد رنگ ہے۔ اس لہجہ میں اس سجدے کی عظمت اور سربلندی ہے جو صدیوں کی امانت تھا اور یہ امانت اب ادا کی گئی ہے۔ یہ وہ عجز ہے جو سربلندی آدم کی علامت ہے۔

نئے لہجے میں بصد عجز و ندامت لکھوں
صرف اشکوں کی زباں میں تری مدحت لکھوں

حمد کے وسیلے سے شاعر کو نیا لہجہ ملا اور اس لہجے کو عبادت کا نم نعتوں نے عطا کیا۔

نعتوں میں برتتے ہیں آداب عبادت کے
ہر چند غزل میں ہم شوریدہ بیاں ٹھہرے

سرشار کے ہاں محض نعت نہیں ہے بلکہ نعت کا ایک دائرہ ہے۔ کئی تخلیقات حمد و نعت کا سنگم ہیں اور پھر اساس میں ان شخصیتوں پر نظمیں ہیں جو حیاتِ نبوی کا ناگزیر حصہ ہیں۔ ام النبیؐ سے لے کر خلفائے راشدینؓ، صحابہ کرامؓ اور ازواج مطہراتؓ تک۔ ام النبی حضرت آمنہؓ، وہ صدف ہیں جس سے کائنات کو اپنا درِ یتیمؐ حاصل ہوا۔ اور رفیقانِ محمد انؐ کی صداقت کی سب سے معتبر گواہی اور سب سے بڑے معجزے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نعت و عقیدت کے اس دائرے میں کتابِ عظیم اور حرمین کی خاکِ پاک کے ذرے اور مناظر بھی شامل ہیں۔ اساس نعتوں کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ شعر عقیدت ہے اور عقیدت کا ہر موضوع اور کردار مرکزِ احدیت اور ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم رشتہ ہے۔

سرشار نے عقیدت و ایمان کا ایک شعری منظر نامہ مرتب کیا ہے، اور اس انداز سے کہ یہ مجموعہ تمام ایسے مجموعوں سے الگ ہو گیا ہے جنہیں ہم نعتیہ مجموعے کہتے ہیں۔ یہ ایک روح کا سفر ہے اور شاعر کی سوانح ہے، محض شعر یا عقیدت کی وادی میں گزارے ہوئے چند لمحات نہیں۔ سرشار نے ۱۹۸۴ء تک ایسی زندگی گزاری جس پر شرمندگی کا کوئی سبب نہیں۔ رزق حلال، حلقۂ احباب، ایک پیار کرنے والا گھرانا، ذہن رسا، شہرت، خاصی خوشحالی۔ یہ سب کچھ اسے حاصل تھا، لیکن لمحۂ وصال میں بھی کسی

چیز کی کمی محسوس ہوتی۔ ویسے بھی حساس روحوں کا یہ مقدر ہے کہ نغمۂ وصل اور گریۂ فراق کے درمیان کچھ ایسا فصل نہیں ہوتا۔ آخر مارچ ۸۴ء میں اس کی زندگی کا وہ دور شروع ہوا جسے نیا جنم کہنا درست ہوگا۔ آواگون تو ایک سلسلۂ فریب ہے، مگر آدمی کا نیا اسلوبِ حیات، اس کی نئی زندگی ہی ہوتا ہے۔ سرشار کی نئی زندگی میں اُس کا کچھ ایسا عمل دخل نہیں ہے بلکہ یہ زندگی توفیق الٰہی ہے

سرشار مرا مصرع، میری ہی سوانح ہے
تدبیر یہاں روکے، تقدیر وہاں ٹھہرے

اور اب اس کی سعادت یہ ہے کہ روکنا اور ٹھہرنا دونوں ہی میں برکتیں ہیں۔ تقدیر و تدبیریوں بیک وقت کسی کے حق میں مہربان کم ہی ہوتی ہیں۔

سرشار کے شعر عقیدت میں عقیدتوں کا ایک ایسا تسلسل نظر آتا ہے جو انسانی زندگی کے تسلسل کا اشاریہ ہے۔ حمد کی موج نعت کی موج سے ہم آغوش، نعت کی موجوں کو صحابہ اور ذریت رسول کی منقبت کی موجیں اپنے حصار اور دائرے میں لئے ہوئے۔ یہ بات شعری اور فکری طور پر بڑی اہم ہے اور اس پر مختصر گفتگو ضروری ہے۔

ہمارے عہد میں رسمی نعتوں کے علاوہ سیکولر نعتوں کا بھی فیشن ہے۔ اللہ سے منہ موڑ کر رسول کریمؐ کی عظمتوں کی "دریافت" اور تذکرہ۔ یہ ویسی ہی کوشش ہے جیسے مصوتہ VOWEL کے بغیر گفتگو کرنے کی کوشش۔ ایسے نعت گو، رسولؐ کا ذکر بھی اُسی طرح کرتے ہیں جیسے دوسرے رہنماؤں اور مصلحوں کا ذکر۔ یہ اُس پیمانے اور اسکیل سے بے خبر ہیں جس سے ہم رسولؐ کی عظمت کا کسی قدر اندازہ کر سکتے ہیں۔ کوئی بھی رسول بالعموم اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بالخصوص ربِ کائنات کا سب سے بڑا شاہکار ہیں۔ یہ نظام شمسی، یہ کائنات کی پہنائیاں، یہ فضاؤں کی بے کرانیاں یہ سب ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ ذات کے ایک گوشے میں سمٹ کر گم ہو

جاتی ہیں۔ یہ وہ ذات ہے جو ہمارے لئے خالق نما بن جاتی ہے اور حمد میں نعت بھی سمٹ آتی ہے۔ سلسلۂ تخلیق کو تو دور بینوں اور سائنسی تجربوں سے سمجھا جاسکتا ہے مگر خالق تک رسول کے بغیر رسائی ممکن نہیں، حالانکہ یہ خالق اپنی ہر تخلیق کے آئنے میں موجود ہے۔ سرشار نے اس نکتے کو سمجھ لیا۔ اس کے ہاں حمد و نعت یک جا ہوگئی ہیں۔

طوافِ کعبہ میں تھی کس کے نقشِ پا کی تلاش
خدا کا نام لیا، اور اسے پکار آیا

حمد اُن جذباتِ ستائش کا نام ہے جو کسی ایسے حسن اور تناسب کو دیکھ کر دل میں موج زن ہوں جو تمام حسین اور متناسب اشیا کے حسن اور تناسب کے ناپنے کا حوالہ بن سکے۔ ہم خدا کی ذات کا نظارہ تو نہیں کر سکتے کیونکہ کوئی آنکھ اس حسن کو نہیں دیکھ سکتی، مگر یہ ذات ہر حسن کا حوالہ بن جاتی ہے۔ اور ایسا سب سے بڑا حوالہ محمد عربی علیہ السلام ہیں۔ یہی وہ تصویر ہے جو ہمیں اس کے مصور کے بارے میں سب سے زیادہ علم عطا کرتی ہے حالانکہ وہی مصور کائنات کے کینوس پر بے شمار رنگوں کی صورت موجود ہے، مگر اس کی صفات کے رنگ جتنے اور جس حد تک سرکار ختمی مرتبتؐ میں موجود ہیں کہیں اور نہیں نظر آئیں گے۔ پھر حمد کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ "حسن" کی جو تعریف بیان کی جائے وہ تخمینی اور ظنی نہ ہو بلکہ ہمیں اس کی صحت پر اعتماد اور یقین ہو۔ اللہ اور اس کے رسول کی تعریف ہم ایمان، یقین، اپنے وجدان اور بصیرت کی استوار بنیادوں پر کرتے ہیں۔ ہمیں جس طرح اللہ کے خالق کائنات ہونے پر یقین ہے اسی طرح اس بات پر بھی ہے کہ ہمارے اور اللہ کے درمیان سب سے مضبوط وسیلہ اور رشتہ ذاتِ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور ان کی صفات میں کمال بھی ہے اور جامعیت بھی۔ وہ ذات حمد کے دائرے کے اندر

آجاتی ہے جو حامد بھی ہے، احمد بھی اور مقام محمود پر فائز بھی۔ جو خوف و حُزن سے بالاتر ہے۔ جب علمائے شعر و بلاغت نے حمد کو ایسی صنف قرار دیا جو صرف اللہ سے مختص ہو تو شاید یہ نکات جن کا تعلق نبوت سے ہے ان کے ذہن میں نہ تھے۔ اللہ اپنی ذات اور صفات میں کسی کی شرکت سے بالاتر ہے اور شرک ظلم عظیم ہے، مگر اللہ نے اپنے نبیؐ کو جس مقام پر سرفراز فرمایا ہے اس کو بھی ذہن میں رکھنا لازم ہے۔

رسول ایک طرف اپنے رب سے متصل ہوتا ہے اور دوسری طرف انسانوں سے پیوستہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو انسانی اخلاقِ حسنہ کا نقطۂ عروج بنا دیا جو شقاوت میں پتھروں کی طرح بلکہ ان سے بھی سخت تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے تین معجزات ہیں۔ آپؐ کی حیاتِ طیبہ، قرآن حکیم اور صحابۂ کرام۔ کوئی اچھا نعت گو ان معجزات سے صرفِ نظر کر کے نعت نہیں کہہ سکتا۔ سرشار کے شعر عقیدت میں ان تینوں معجزوں کا ذکر مسلسل ملتا ہے۔ سرشار نے امِ نبی، ازواجِ مطہرات، ذریتِ محمد اور صحابۂ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین کے حضور اپنے جذباتِ عقیدت پیش کئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی، فوزِ کبیر اور کامگاری کی سب سے بڑی شہادت صحابہ کرامؓ ہیں۔ امتِ محمدیہؐ کا ایک بڑا حصہ صحابہ کرامؓ کو انبیائے عظام کے بعد انسانوں میں سب سے بلند، سب سے برگزیدہ قرار دیتا ہے اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی بنا پر ہدایت کے ستارے سمجھتا ہے، جب کہ ایک دوسرا گروہ معاذاللہ صحابہ کرامؓ کو منافق ٹھہراتا ہے اور اس کا عقیدہ ہے کہ جب حضورؐ دنیا سے تشریف لے گئے تو صحابہ میں سے صرف پانچ افراد مسلمان تھے اور باقی ...... یہ گروہ کس قدر شقی القلب اور مرتبۂ نبوت سے بے خبر ہے۔ معاذاللہ اس سے زیادہ کسی رسول کی ناکامی اور کیا ہو گی؟ صحابہ کرامؓ کا درجہ تو یہ ہے کہ قرآنِ عظیم نے محمد رسول اللہؐ کے ساتھ والذین معہ کو شامل کر کے کہا کہ یہ کافروں پر شدید

ہیں، آپس میں رحیم ہیں اور اللہ کے فضل سے سرفراز۔ یہ وہ ہیں کہ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

"والذین معہ" کا ٹکڑا تمام صحابہ کرامؓ کے لیے ہے لیکن اس کا اولین مصداق وہ صاحبِ فضل ہے جو سرشار کا جدِ امجد ہے۔

"پیغمبروں کے بعد دنیا کی تاریخ میں یقین کی جو سب سے بڑی مثال ملتی ہے وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہے اور اسی یقین و استقامت میں ان کی صدیقیت کا راز پنہاں ہے۔۔۔ اہلِ بصیرت کا یہ کہنا بالکل حق ہے کہ ابوبکر پیغمبر نہیں تھے مگر کام انہوں نے پیغمبروں کا سا کیا۔

آج روئے زمین پر جہاں کہیں اسلام کا کوئی رکن ادا ہو رہا ہے، کوئی اسلامی شعار بلند ہے اور کہیں دین پر عمل ہو رہا ہے اس میں حضرت ابوبکرؓ کا حصہ ہے۔ آج نماز کی ہر رکعت، زکوٰۃ کے ہر پیسے، روزے کی ہر گھڑی، حج کے ہر رکن کے ثواب میں حضرت ابوبکرؓ کا حصہ ہے، اس لیے کہ اگر زکوٰۃ کے بارے میں ڈھیل دی جاتی اور فتنۂ ارتداد کے ساتھ رواداری برتی جاتی تو نہ نماز رہتی، نہ روزہ، نہ حج.." (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

یہ سب کچھ یوں عرض کیا گیا کہ اس پس منظر کو سامنے رکھے بغیر سرشار کے شعرِ عقیدت کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ اللہ کی مشیت کا کیسا کیسا اظہار اس ذاتِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہوا جس کا ایک صفاتی نام اس کتاب کا نام ٹھہرا۔ حضور ہی ہمارے ایمان کی اساس ہیں اور یہ سطور ۲۷ رجب المرجب کو لکھی گئی ہیں اور میرا قلم مجھے یاد دلا رہا ہے کہ ربِ محمدؐ نے "قانونِ ظاہری کی رعایتوں" کو روحِ محمدیؐ کے تصرف میں دے دیا تھا۔

جب روحِ محمدیؐ تمام ارواح، تمام اجسام، تمام حیات کا سرچشمہ ٹھہری تو پھر اس ذات کے حوالے کے بغیر حضور کی نعت کیسے کہی جا سکتی ہے جس کے وسیلے سے اس زمین پر حضورؐ کا ظہور ہوا اور

آخری پھول کھلا، باغِ نبوت مہکا

یہ ذات ام النبیؐ صلوٰۃ اللہ علیہا کی ذات تھی۔ جب وہ لمحہ آیا کہ تخلیقِ کائنات کا راز

صورتِ انکشاف چاہتا تھا
قبلۂ عرش و فرش کے اطراف
کعبہ۔ اذنِ طواف چاہتا تھا

اور نگاہ ارض و سما حضرتِ آمنہ کی طرف مرکوز ہو گئی کیونکہ یہی وہ ذات تھی جسے گلِ آفرنیش کی شاخ کے طور پر چنا گیا تھا۔

فیصلہ ہے نظامِ قدرت کا
شاخ لازم ہے پھول سے پہلے
تیری تخلیق ناگزیر ہوئی
دو جہاں کے رسول سے پہلے
تیری عظمت کا کیا ٹھکانہ ہے
تجھ سے جبریلؑ ہم کلام ہوئے
آیتوں کے نزول سے پہلے

حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر زبان و اسلوب کے اُن سارے قرینوں اور سلیقوں کا تقاضا کرتا ہے جو ذہن، فن اور زبان پر انسانی دسترس کی آخری حدوں پر نظر آتے ہیں۔ سرشار کی نظم اُم النبیؐ سرشار کی شعر گوئی، اس کے

مومن قلب اور اردو زبان کے امکانات کی بیک وقت شہادت ہے۔ اس کی ایک ہی نظیر اس سے پہلے مجھے نظر آئی ہے

ہوئی پہلوئے آمنہؓ سے ہویدا
دُعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحاؑ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر سلیقے اور ڈھنگ سے بعض میلاد ناموں اور شاہنامۂ اسلام میں بھی ملتا ہے مگر حضرتِ آمنہؓ کی عظمت کا یہ انداز اور یہ ادراک مختلف چیز ہے۔

تاریخی شخصیتوں کی زندگی اور کردار کو تفصیل کے ساتھ ناول میں بھی پیش کیا جاسکتا ہے اور نظم میں بھی۔ غزل کے شعروں میں بھی ان کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں فن کار میں تاریخی شعور کے ساتھ ساتھ تخیل کی متناسب فراوانی ضروری ہے۔ ایسا تخیل جو زمان و مکاں کے تناظر میں ان کرداروں کو متحرک، جیتا جاگتا اور اپنے تاریخی فریضے کو ادا کرتا ہوا دیکھ سکے۔ دینی شخصیتوں کے سلسلے میں ایک اور عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے اور وہ ہے اپنے کرداروں کے اقدارِ حیات اور معتقدات پر شاعر کا عملی یقین۔ یہی وہ بات ہے جسے اقبال نے "دل و نگاہ کا مسلمان ہونا" قرار دیا تھا۔ سرشار نے امہات المومنینؓ، اپنے جدِ امجد سیدنا ابوبکر صدیق علیہ السلام اور دوسرے صحابہ کرامؓ پر جو نظمیں لکھی ہیں ان میں لفظ کہیں پھول ہیں اور کہیں نظر۔ سرشار نے اپنے تخیل کی مدد سے ان کرداروں کو شہرِ رسولؐ میں محفلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جیسے دیکھا ہے اور سنا ہے۔ حضرتِ بلال حبشیؓ ہم کو اذان بن کر سنائی دیتے ہیں۔ موذن کا اذان اور اذان کی علامت بن جانا بھی سرکار کا ایک معجزہ ہے۔ کہیں حضرت خدیجتہ الکبریٰؓ کے کردار کی تصویر ان کے کمالِ بصیرت اور جمالِ رفاقت کے رنگوں سے بنائی گئی ہے اور بی بی حلیمہ سعدیہؓ کی خوش بختی کو ان کے دودھ کے

فیضانِ اثر میں تلاش کیا گیا ہے۔ اس مجموعے کا ایک حصہ "جدِ اعلیٰ" ہے۔ وہ جدِ اعلیٰ عشق و عمل، ایثار و قناعت کا پیکر ہے جس کے خون نے سرشار کے وجود کو اعتبار بخشا اور اسی خون کے واسطے سے اس نے حق گوئی کی امانت اپنے بچوں تک پہنچائی۔ حضرتِ صدیقؓ کی عکس کشی کا ایک استعارہ "سفر" بھی ہے۔ سفر بلدِ امین سے مدینۂ رسولؐ تک، سفر بدر کے معرکہ سے حج الوداع تک، سفرِ غار سے قبر تک، صدیقؓ ہر جگہ اپنے صاحبؐ کے ساتھ ہیں۔ یہ چند مثالیں ہیں۔ اس مرقعِ عقیدت میں حضرتِ حمزہؓ، حضرتِ عائشہؓ، حضرتِ فاروقؓ، حضرتِ عثمانؓ، حضرتِ علیؓ اور اُن کے شہید بیٹے حسینؓ، اپنی صفات کے رنگوں کے ساتھ موجود ہیں۔ ان تصویروں میں کم سے کم لفظوں کا صرف کیا گیا ہے۔ یہ وہ خاکے ہیں جن میں مصور کم سے کم خطوط سے اپنی مراد پا لیتا ہے بلکہ ایک ہی جنبش سے خطوط یا خط کا دائرہ مکمل ہو جاتا ہے۔ یہ مجموعہ تو آپ کے ہاتھوں میں ہے، سو میں مثالوں سے گریز کرتا ہوں مگر چند مصرعے جو میرے ذہن میں مقیم ہیں آپ سُن لیجیے۔ میں نشان دہی نہیں کروں گا کہ یہ مصرعے کن ہستیوں سے متعلق ہیں؟ یہ بات تو آپ سے یہ مصرعے ہی کہیں گے

صرف ان کا اور اُن کے نبی کا ذکر کروں

جو اپنے کردار کے حوالے سے
خود ہی شمشیرِ بے اماں ہے

خون کے چھینٹوں کی صورت میں
قرآں کے صفحات پہ آج بھی زندہ ہے

عشق و عمل، ایثار و قناعت کا پیکر ہے جس کے خون نے سرشار کے وجود کو اعتبار بخشا اور اسی خون کے واسطے سے اس نے حق گوئی کی امانت اپنے بچوں تک پہنچائی۔ حضرتِ صدیقؓ کی عکس کشی کا ایک استعارہ "سفر" بھی ہے۔ سفر بلدِ امین سے مدینۂ رسولؐ تک، سفر بدر کے معرکہ سے حج الوداع تک، سفرِ غار سے قبر تک، صدیقؓ ہر جگہ اپنے صاحبؐ کے ساتھ ہیں۔ یہ چند مثالیں ہیں۔ اس مرقعِ عقیدت میں حضرتِ حمزہؓ، حضرتِ عائشہؓ، حضرتِ فاروقؓ، حضرتِ عثمانؓ، حضرتِ علیؓ اور اُن کے شہید بیٹے حسینؓ، اپنی صفات کے رنگوں کے ساتھ موجود ہیں۔ ان تصویروں میں کم سے کم لفظوں کا صرف کیا گیا ہے۔ یہ وہ خاکے ہیں جن میں مصور کم سے کم خطوط سے اپنی مراد پالیتا ہے بلکہ ایک ہی جنبش سے خطوط یا خط کا دائرہ مکمل ہو جاتا ہے۔ یہ مجموعہ تو آپ کے ہاتھوں میں ہے، سو میں مثالوں سے گریز کرتا ہوں مگر چند مصرعے جو میرے ذہن میں مقیم ہیں آپ سُن لیجیے۔ میں نشان دہی نہیں کروں گا کہ یہ مصرعے کن ہستیوں سے متعلق ہیں؟ یہ بات تو آپ سے یہ مصرعے ہی کہیں گے

صرف ان کا اور اُن کے نبی کا ذکر کروں

جو اپنے کردار کے حوالے سے
خود ہی شمشیرِ بے اماں ہے

خون کے چھینٹوں کی صورت میں
قرآں کے صفحات پہ آج بھی زندہ ہے

جو اپنے پیش رووں کا حلیف تھا

مجھے یقین ہے کہ یہ مصرعے متعلقہ شخصیتوں تک آپ کو پہنچا دیں گے، لیکن اگر کوئی دوسری شخصیت آپ کے ذہن میں آئی تو اس میں بھی آپ کے لیے ایک پیغام اور نکتہ مضمر ہے، اور وہ ہے اصحابِ محمدؐ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی زندگی، کردار اور صفات کا اشتراک۔ یہی اصحابِ کبار اقبال کے اس مصرع کا مصداق ہیں:

آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن

اس مجموعے کی بیشتر نعتیں غزل کے فارم میں لکھی گئی ہیں۔ اگرچہ ہمارے شعرا نے مسدس اور مخمس سے لے کر معریٰ اور آزاد نظم تک تمام اصنافِ سخن کو ثنائے خواجہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال کیا ہے، مگر غزل کو اس مقصد کے لیے آج بھی سب سے زیادہ استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس کے کئی اسباب ہیں۔ ایک تو دو مصرعوں میں بات کا مکمل ہونا یوں غزلیہ نعت کا ہر شعر اپنی جگہ مکمل نعت ہوتا ہے کیونکہ شعر غزل کی قائم بالذات اکائی ہے۔ دوسرے غزل کے نظامِ علائم و رموز پر تصوف کا سایہ ہے اور یوں محدود سے لامحدود کی طرف سفر ان علامتوں کے ذریعے سہل ہو جاتا ہے۔ لامحدود کی طرف شاعر کا سفر اس کی تقدیر بھی ہے اور شعر کا مقدر بھی۔

سرشار نے غزل کے پیکر کو نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا سے ایسا اور اس طرح روشن کیا ہے کہ نعت ایک سیارۂ نور اور "شرارِ معنوی" بن گئی ہے۔ میرے ذہن نے نعت کا ایک معیار قائم کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا کوئی شعر، کوئی جزو ایسا نہ ہو جو غیر نبی کی تعریف و توصیف کے دائرے میں داخل ہو سکے یا جو شرک فی النبوت کی مثال بن سکے۔ شرک اللہ کے باب میں بھی ہوتا ہے اور رسولؐ کے سلسلے میں بھی مثلاً

گہ سوئے علیؓ، گاہ نظر سوئے محمدؐ

رجعتِ خورشید اور شقِ قمر سے ہے عیاں
ہے بن مالک لیالی کا، علیؓ ایام کا

اور اب ایسی مثالیں ملاحظہ ہوں جن کے لہجہ اور مضامین کو نعت سے کوئی علاقہ نہیں۔ شاعروں کا نام دانستہ نہیں لکھا جارہا ہے۔

تمہیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں
مرے چمن کی فضائیں سلام کہتی ہیں
وہ عہدِ گل، وہ لبِ جو، وہ بزم سرو و سمن
وہ قمریوں کی صدائیں سلام کہتی ہیں

یہ میرا اضطرابِ شوق، رشکِ جنونِ قیس ہے
جذبہ بہ جذبہ، دل بہ دل، شیوہ بہ شیوہ، خو بہ خو

جس میں ہو ترا ذکر، وہی بزم ہے رنگیں
جس میں ہو ترا نام، وہی بات حسیں ہے

سرشار صدیقی نے بنیادی طور پر نعت کے لیے غزل کے پیکر کو چنا ہے، لیکن کوئی شعر ایسا نہیں جو سرکارِ ختمی مرتبت کی محبت اور مرتبے کی طرف اشارہ نما نہ ہو۔ غزل کی شوریدہ بیانی، نعت میں آدابِ عبادت کے قالب میں ڈھل جاتی ہے

نعتوں مین برتتے ہیں آداب عبادت کے
ہر چند غزل میں ہم شوریدہ بیاں ٹھہرے

شاعر نے عبادت کے آداب برتنے کا دعویٰ تو کیا ہے، لیکن میرا قیاس یہی ہے کہ لہجہ

خود عبادت کے آداب میں ڈھل جاتا ہے۔ سرشار کے عشقِ رسالت مآب میں گم گشتگی بھی ہے، توفیقِ الٰہی کا شکر بھی ہے، بچوں کا سا تحیر بھی ہے اور قلبِ مومن کی وسعت بھی ہے، مگر ابھی "انائے شاعر" نے اس کا تعاقب نہیں چھوڑا ہے۔ ابھی آگ کو خاکستر بننا ہے اور اپنی نفی کرنی ہے۔

اس طویل جملۂ معترضہ کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ عشقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظوں میں ایک کیمیاوی تغیر برپا کر دیا ہے۔ عشق اپنی کیمیا آپ ہے

سرکار کے قدموں سے اٹھ کر دل دیوانہ
جائے تو کہاں جائے ٹھہرے تو کہاں ٹھہرے

ہر لفظ تغزل کا پیمانہ ہے، لہجے میں عشق کی سرمستی ہے، مگر "سرکار" کا لفظ یوں صرف ہوا ہے کہ دل کی بیقراری کو قرار بلکہ ثبات مل گیا ہے۔ اسی نعت میں سرشار نے ایک نئے استعارے بلکہ ایک مکمل تلازمۂ خیال و تاریخ کو جنم دیا ہے۔ ابو ایوب انصاریؓ کے دروازے پر ناقۂ رسالت آ کر رک گئی تھی، اور سرشار نے اپنی زندگی کو اسی ناقہ کے روپ میں دیکھا ہے۔ یہ ناقۂ ہستی بھی اپنے راستوں کا تعین نہیں کر سکتی، اس کے لئے تقدیر، تدبیر ہے اور تدبیر تقدیر۔ اور یہ دونوں بھی رضائے الٰہی اور توجہ ٔ رسالت کے اشارے ہیں

تقدیر پہ چھوڑا ہے اس ناقۂ ہستی کو
یہ کعبہ ہے وہ طیبہ، دیکھیں تو کہاں ٹھہرے

سرشار کی نعتیہ شاعری میں مضمون آفرینی نہیں، خیال آرائی نہیں، بلکہ اب وہ اپنے بیتے ہوئے لمحوں کو اور آنے والے لمحوں کو اپنے لفظوں کے آئینے میں دیکھ رہا

ہے اور دکھا رہا ہے۔ اور اس میں اس کا کمال فن نہیں۔ رب محمدؐ نے اسے ایسی افتاد طبع، ایسا ذہن، ایسی نظر اور ایسا قلب عطا کیا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے جذبہ خیال اور خیال جذبہ بن جاتا ہے۔ ویسے بھی قرآن حکیم نے قلب کو فکر کا مرکز قرار دیا ہے۔ یہ وہ مرحلۂ شوق ہے کہ نظارے آواز بن جاتے ہیں اور آوازیں تصویریں بن کر دیوارابد کی آرائش کا سامان کرتی ہیں۔ بڑی عشقیہ شاعری میں نغمہ دکھائی دیتا ہے اور منظر سنائی دیتا ہے۔ یہاں تمام حواس ایک دوسرے میں گم ہو کر ایک حس بن جاتے ہیں۔ کسی کو پانے کی اور اپنے آپ کو گم کرنے کی حس۔ لفظ اپنی سطح سے بلند ہو کر کسی کے نقشِ پا کے ذروں میں مل جاتے ہیں اور بیان و اظہار کے ایک نئے آسمان کی تخلیق کرتے ہیں۔ میں نعتوں کی اس دنیا میں تھک گیا ہوں۔ بات یہ ہے کہ مجھے ان اشعار کی قرآت کے دوران وہ کچھ عطا ہوا ہے کہ میں اسے بہت دیر تک سہار نہیں سکتا۔ شاعر پر نہ جانے کیا بیتی ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ اس تحریر میں نعت گوئی کے سلسلہ میں چند اشارے پیش کرنے کی توفیق حاصل ہوئی۔ اب لیجئے انتخاب (مختصر سے انتخاب) کی صورت میں اپنا حقیقی تبصرہ پیش کرتا ہوں۔ اس تبصرے میں حمد بھی ہے اور نعت بھی۔

ان فضاؤں میں یہ کھلا مجھ پر
سانس لیتی ہے اب بھی سچائی

یوں بلایا ہے تو بھر دے یہ مرا کاسۂ دل
کاسۂ دل جسے اب صاحبِ نسبت لکھوں

اپنے شایاں کوئی اک شعر عطا کر یا رب
زندگی بھر یہی تکرارِ سعادت لکھوں

طوافِ کعبہ میں بھی کس کے نقشِ پا کی تلاش
خدا کا نام لیا اور اسے پکار آیا

دور سے گنبدِ خضریٰ دیکھ کے دل اس طور سے دھڑکا تھا
روح کے گہرے سناٹے میں جیسے شورِ نشور ہوا

میں نے اپنا چہرہ خود ہی بگاڑا تھا
اک صورت گر میری شکل سنوار چلا

تہذیبِ التجا مجھے تعلیم کر، کہ میں
دربارِ مصطفیٰؐ میں سوالِ کرم کروں

یہ دل ہے یادِ رسالتؐ مآب سے معمور
متاعِ کون و مکاں کاسہ فقیر میں ہے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے اپنی کتاب "دستورِ حیات" میں دین کی بنیادوں پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "انبیائے کرام پوری انسانیت کے لئے اسوۂ کامل، اعلیٰ قابلِ تقلید نمونہ اور اخلاق، ذوق و رجحان، رد و قبول اور وصل و فصل کے باب میں سب سے مکمل اور آخری معیار ہوتے ہیں --- جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کا تعلق ہے، وہاں اس پہلو پر اور زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے

"آپ کی ذات کے ساتھ صرف ضابطہ اور قانون کا تعلق کافی نہیں، روحانی اور جذباتی تعلق اور ایسی گہری اور دائمی محبت مطلوب ہے جو جان و مال، اہل و عیال کی محبت پر فوقیت لے جائے"

سرشار کی نعت تخلیقی سطح پر اسی حقیقت کی توثیق بھی ہے اور اس کے احوال کا اظہار بھی

حاضر ہوئے تھے زیست کی محرومیوں کے ساتھ
لوٹے تو یہ عذاب وہیں چھوڑ آئے ہیں

اب سرشار اسی تعلق کی بنا پر جنتِ مدینہ کی شہریت حاصل کر چکا ہے۔ خدا کرے یہ شہریت دائمی ہو۔

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی

بابِ تمجید

اُس لامکاں کو قیدِ مکانی سے کیا غرض
کعبہ تو اُس کے گھر کی علامت کا نام ہے

وحدہ

صبحِ ازل کیا
شامِ ابد کیا
قیدِ مکاں کیا
وقت کی حد کیا
تو، اِن سب سے بالاتر ہے
تو، ہی مخفی، تو ہی خبر ہے
سب چہرے تیرے ہی چہرے
سارے نام ترے ہی نام
تو، خود ہی اپنا شہ کار
تو، خود ہی اپنا انعام

وظیفہ گردشِ لہو ہے

خاموشی خُود ایک زباں ہے
جس میں آوازوں کی کوئی گُونج
نہیں ہے
جِس میں لفظوں کی کوئی تشکیل نہیں ہے

اپنے رب کی حُمد و ثنا میں
دھڑکن کا مدُھم آہنگ ہو
یا، سانسوں کے زیر و بم کا
اِک بے نام تسلسل
کیا ہے؟
اگر یہ تسبیح و تہلیل نہیں ہے

عرشِ انا سے واپس آ کر
ذات کی خاک بسرِ رفعت پر
اپنے یقیں کی محرابوں میں
آنکھوں کا پیشانی بن کر
فرشِ زمیں کو بوسہ دینا

کیا یہ
رُوح کے سجدہ کرنے کی تمثیل نہیں ہے؟

میری یہ خاموش عبادت
میرے ایماں سے ہے عبارت
میرا عقیدہ
میری عقیدت
جذبوں کی تاویل نہیں ہے

حمد

نئے لہجے میں بصد عجز و ندامت لکھوں
صرف اشکوں کی زباں میں تری مدحت لکھوں

تو نے اس طرح بلایا ہے کہ سوچا بھی نہ تھا
میں تو منجملہ اسے تیری عنایت لکھوں

دل دھڑکتا ہے تو آتی ہے صدائے لبیک
میں اسے روح کی تصدیق محبت لکھوں

سونپ دوں اپنی جبیں ایک سبک سر کی طرح
اور اس سجدے کو صدیوں کی امانت لکھوں

وہ گنہگار ہوں رشک آتا ہے دس داروں کو
کیا لکھوں، گر نہ اسے تیری مشیت لکھوں

یوں بلایا ہے تو بھر دے یہ مرا کاسۂ دل
کاسۂ دل جسے اب صاحبِ نسبت لکھوں

کس تحمل سے چھپایا ہے ترے ہجر کا راز
میں تو اس جذبے کو پندارِ محبت لکھوں

اپنے شایاں کوئی اِک شعر عطا کر یا رب !
زندگی بھر یہی تکرارِ سعادت لکھوں

خاکِ دربارِ حرم لے کے چلے اہلِ قلم
میں تو اس خاک کو کونین کی دولت لکھوں

اپنی پیشانی ہے اور فرشِ حرم ہے سرشار
میں اسے لمحۂ معراجِ عقیدت لکھوں

مکہ مکرمہ

۷ مارچ ۱۹۸۴ء

حمد و نعت

یہ کس گناہ پہ رحمت کو اتنا پیار آیا
میں صحن کعبہ میں حد درجہ شرمسار آیا

لطیف تر ہے دیارِ حرم میں خاک وجود
کہ جیسے میں نہیں آیا، مرا غبار آیا

یہیں سے ایک نئی زندگی کرو آغاز
خدا کے آخری پیغام کا دیار آیا

طواف کعبہ میں تھی کس کے نقش پا، کی تلاش
خدا کا نام لیا اور اسے پکار آیا

غبار بدر و احد غازہ ہوگیا مجھ کو
میں اپنے بگڑے ہوئے خال و خد سنوار آیا

جو ایک لمحہ مجھے عمر رائگاں نے دیا
اس ایک لمحے میں، میں زندگی گزار آیا

بہت گراں تھا ترے گھر سے واپسی کا سفر
کہ راستے میں ترے دوست کا دیار آیا

بہشت پر مرا ایمان تھا مگر، سرشار
مدینہ دیکھا تو جنت پہ اعتبار آیا

فروری ۸۶ء

کُن فیکُون

فلک خموش
زمیں چُپ
فضائیں
مُہر بہ لب

سماعتوں کا ضمیر
ثوابِ صوت و صدا کے حصول کی خاطر
نہ جانے کب سے تھا
محوِ دعائے بے آواز
سمیٹے بیٹھے تھے جبریلؑ بھی پر پرواز

سکوتِ لامُتناہی میں
ارتعاش ہوا
نمودِ صبح ازل سے
وجودِ ظلمتِ شب

گویا، پاش پاش ہوا
بساطِ لوح پہ
ظاہر ہوا وہ نورِ یقیںؑ
جو خلقِ سطوتِ کون و مکاں کے کام آیا
"زباں پہ بارِ الٰہٰ یہ کس کا نام آیا؟"

یہ روز و شب
یہ زمان و مکاں
یہ ارض و سما
یہ مہر و ماہ یہ انجم
یہ ثابت و سیّار
یہ وقت کی رفتار
یہ کائنات کا محور
یہ گردشوں کا مدار
خلا کے بطن سے
سب ہی نمود پانے لگے

فرشتے، جنّ و بشر
بحر و بر

حیات و ممات
رموزِ ذات و صفات
بشارتیں، آیات
جو کب سے
عالم لاہوت میں تھے محو سجود
وقف درود
ضمیر کُن میں نہاں
ممکناتِ لامحدود
نگاہِ شاہد وانوارِ جلوہُ مشہود
بہ یک اشارہ
لباسِ وجود پانے لگے
صبا نے رقص کیا
پھول مسکرانے لگے

ازل تو نقطہ آغاز کا بہانہ ہوا
کہ سرحدِ فیکوں سے یہ کاروانِ حیات
ابد کی منزلِ بے نام کو روانہ ہوا
یہی کہ یک دو نفس زندگی کا ہے مفہوم
"نہ ابتدا کی خبر ہے، نہ انتہا معلوم"

۸ جنوری ۱۹۹۰ء

معیار

خدا حُسن ہے
حُسن کی جو بھی تعریف
دُنیا کی فرہنگ میں درج ہے
وہ سب اِنسان کے ذِہن کی نارسائی کی تحریر ہے
حُسن کیا ہے؟
خیال آفرینی ہے
یا صرف حسنِ تصور کی تفسیر ہے

روشنی، رنگ، خُوشبو تو بس نام ہیں
خال و خد ہوں
کہ وہ قامت و قد ہوں
سب نامکمل ہیں
سب خام ہیں
کہکشاں ہو
مہہ و مہر ہوں

سبزہ و گل ہوں
سرو سمن ہوں
سمندر ہوں، دریا ہوں، کوہ و دمن ہوں
یہ سب پرتوِ حسن ہیں
حسن تو بس خدا ہے

خُدا حُسن ہے
حُسن کی معرفت خیر ہے، عدل ہے، رحم ہے
اور جس ابنِ آدم میں
یہ حسنِ سیرت ہو
وہ بھی حسیں ہے
کہ اوصافِ حسنِ ازل کا امیں ہے
وہی اپنے خالق کے
لطفُ و عنایت کا حق دار ہے
خُدا کی محبت کا
سچا [illegible] دار ہے

۲۰ جنوری ۱۹۸۸ء

نسخۂ کیمیا

تجاہل

اور ہم نے
یہ مخلوق پانی سے تخلیق کی
جن میں اِنساں بھی ہیں
اور حیوان بھی
اور نباتات بھی
(سب کا آغاز پانی ہے،
انجام فانی ہے)
کیا لوگ پھر بھی
جنھیں یہ خبر ہے
(وہ اس حالتِ کُفر سے باز آتے نہیں)
اور ایمان لاتے نہیں

وجعلنا من الماء کل شی حیی، افلا یومنون
(القرآن - ۲۱:۳۰)

معجزۂ صداقت

یہ قرآں
معجزہ ہے
اپنے اسلوبِ طہارت کا
یہ قرآں معجزہ ہے
اپنی دانائی و حکمت کا
یہ قرآں معجزہ ہے
اپنی بے پایاں صداقت کا

" A Miracle of Purity
of Style, of Wisdom
and of Trurh."

'Mohammad and Mohammadanism'

by: Rev. R. Bosworth Smith.

" That inimitable
symphony, the very
sounds of which
move men to tears
and ecstasy."

From the Foreward of his
translation of QURAN.
by: Marmaduke Pickthal

کتابِ حکمت

اس کتابِ حکمت کی
بے مثال کیفیت
لازوال سرمستی

روحِ نیک خو کو ہے
اس کا باطنی آہنگ
وجد و انبساط انگیز
شوق کے لئے مہمیز

اعتراف کا جذبہ
احتیاط کے باوصف
دل کے ظرفِ خاکی سے
جوئے نور کی صورت
خود بخود چھلک جائے

۲۵ دسمبر ۸۷ء

" Whenever I hear Quran
chanted, it is as though

I am listening to music
underneath the flowing
melody there is sounding
all the time the insistant
beat of a drum, it is like the beating of
my heart."

from: The preface of his
English translation of QURAN
by: A. I. Arberry

سماعت

میں جب قران سنتا ہوں
تو اس کی پر کشش لحنِ تلاوت سے
مجھے محسوس ہوتا ہے
کہ میری روح کے تاروں کی لرزش پر
اک ایسے ماورا آہنگ میں
کوئی مقدس روشنی
نغمہ سرا ہے
کہ جس کی تھاپ
جس کے زیر و بم سے
مرا باطن
دمادم کی صدا سے گونج اٹھا ہے

عجب آواز ہے
جس کا ہر اک انگ
مرے ہی دل کی دھڑکن سے ہم آہنگ

۲۴ دسمبر ۱۹۸۷ء

خدا کا حرفِ آخر

"زبور"

انسانیت کے عہدِ طفلی میں
خدا کا اپنے بندوں کے لئے
پہلا صحیفہ
عبادت کا طریقہ
زیست کرنے کا سلیقہ

پھر اس کے بعد
"توراۃ"
نصیحت اور ہدایات
اسلوبِ حکایات

نئے احکام ربانی کی ترسیل
"اناجیل"
محبت کی زباں میں
پیار کے لہجے میں پیغام

کئی انعام کے وعدوں کی سوغات
کئی سوغات کے وعدوں کا انعام

مرا ایماں ہے
یہ ساری کتابیں
خدائے لم یزل کی آیتیں ہیں
زمیں پر آسماں کی برکتیں ہیں

مگر "قرآں"
ازل سے آخرت تک
تمام انسانیت کے واسطے
شمعِ ہدایت
زمیں کی آخری امّت سے
ختم المرسلینؑ کی معرفت
اتمامِ حجت
بہ ہر انداز
تکمیلِ شریعت
بنی آدم کی خاطر
خدا کا حرفِ آخر

۱۹۸۹ء

ان کے نام وظیفہ مرا

کس کا حوالہ دے کوئی ، وہ بھی تری مثال میں
کوئی نظیر ہی نہیں حاشیۂ خیال میں۔

اعتراف

جمالِ گنبدِ خضرا ہے میرے پیشِ نظر
دعائیں مانگ کے بیٹھا ہوں میں طواف کے بعد
مدینے والے سے سب کچھ بتا دیا میں نے
بہت سکون ہے گناہوں کے اعتراف کے بعد

امّ النبیؐ

سلسلہ نور کے ظہور کا تھا
کائنات انتظارِ شوق میں تھی
اور تخلیقِ کائنات کا راز
صورتِ انکشاف چاہتا تھا
قبلۂ عرش و فرش کے اطراف
کعبہ۔ اِذنِ طواف چاہتا تھا

اور وہ راز
تیرے بطن میں تھا
لوحِ محفوظِ عرش کی مانند
کلمۂ اعتبار کی صورت

جس کا سایہ نہ ہوگا
اس کے لئے
تیرے سائے کا انتخاب ہوا
تیرا امّ النبیؐ خطاب ہوا

فیصلہ ہے نظامِ قدرت کا
شاخ لازم ہے پھول سے پہلے
تیری تخلیق ناگزیر ہوئی
دو جہاں کے رسولؐ سے پہلے
تیری عظمت کا کیا ٹھکانا ہے
تجھ سے جبریلؑ ہمکلام ہوئے
آیتوں کے نزول سے پہلے

۲۲-۸-۸۸

ظہور

یہ دِن وہ ہے
جس کے واسطے خالقِ جہاں نے
عدم کو نقشِ وُجود بخشا
نفی کو اِثبات
اور اِخفا کو اعتبارِ نمود بخشا
جو غیب تھا
اس کو حکمِ "کن" سے شہود بخشا
رکوع کو سرفرازیاں دیں
قیام کو اِستقامتِ عبدیت عطا کی
جبیں کو ذوقِ سجود بخشا

یہ دن وہ دن ہے
کہ وجہِ تخلیقِ دوجہاں کا ورود ہو گا
ورود ہو گا

تو ہم سے بے راہ و کم عقیدہ
گُناہ گاروں کا ذِکر ہی کیا
کہ انبیاؑ اُن کے خیر مقدم کو
صف بہ صف ایستادہ ہوں گے
اور اُنؐ کے لب پر درود ہو گا
سلام ہو گا

سلام اُنؐ پر
درود اُنؐ پر
فِدا ہمارا وجود اُنؐ پر

کراچی: ۲۸ اکتوبر ۸۸ء

طلوعِ رحمت

افقِ تیرہ پہ پڑنے لگی کرنوں کی کمند
صبح کے چہرے سے تاریکی کے آنچل ڈھلکے
دل ہی دل میں ہوا احساسِ سرورِ کوثر
آنکھوں ہی آنکھوں میں تسنیم کے ساغر چھلکے

عام ہونے لگا فیضانِ جمالِ خورشید
ظلمتیں لے کے بڑھیں کاسۂ دریوزہ گری
ایک لمحے میں دھندلکوں کا فسوں ٹوٹ گیا
سانولے ذروں میں جاگ اٹھی جبینِ سحری

گھل گیا شہد سماعت کے نہاں خانوں میں
عجب انداز سے کچھ بلبلِ رضواں چہکا
عنبر افشاں ہیں فضاؤں کے معطر گیسو
آخری پھول کھلا، باغِ نبوت مہکا

مژدہ اے راہ روانِ رہِ دین و ایماں
مشعلِ حق ہے یہی، شمعِ ہدایت ہے یہی
مختصر یہ ہے کہ منجملۂ اوصاف و کمال
روحِ وحدت ہے یہی، جانِ رسالت ہے یہی

بصد آداب و بصد جذبۂ تعظیم و خلوص
آپؐ کو آپؐ کے اوصافِ حمیدہ کو سلام
اِس پہ بھی ایک نظر، اے مرے شاہِ نسبیؐ
یہی سرشار کہ ہے آپؐ کا دیرینہ غلام

کان پور
۱۹۴۹ء

بوسہ دے کر حرم کے زینے کو
قافلہ چل پڑا مدینے کو

اب تو آئے ہیں زیست کے آداب
اب تو جی چاہتا ہے جینے کو

دل ہے گنجینۂ ثنائے رسولؐ
لئے پھرتا ہوں اس خزینے کو

دور سے اِک جھلک نظر آئی
پھر تو دیکھا کیا مدینے کو

جس میں تھے ساری زندگی کے گناہ
میں ڈبو آیا اس سفینے کو

اشک تھمتے نہیں ہیں اب، جیسے
ٹھیس لگ جائے آبگینے کو

اِس سلیقے سے سر جھکا سرشار
اجَر پہنچا مرے قرینے کو

۹-۱۰ مارچ ۱۹۸۴ء
مکۃ مکرمہ سے مدینہ منورہ
کے سفر کے دوران

ο

انؐ کے در کی گدائی پا کر میں تو بہت مغرور ہوا
جن کے غلاموں میں کوئی سرمد اور کوئی منصور ہوا

حمد حرم میں بیٹھ کے لکھی، نعت حضورؐ کے قدموں میں
روح وہاں سیراب ہوئی تھی قلب یہاں معمور ہوا

دور سے گنبد خضرا دیکھ کے دل اس طور سے دھڑکا تھا
روح کے گہرے سناٹے میں جیسے شور نشور ہوا

میں نے بھی آج اپنے رب سے اپنے دل کی باتیں کیں
دامنِ کوہِ صفا تو مجھ کو وادیٔ کوہ طور ہوا

اس ظاہر عاصی سرشار کی قسمت پر رشک آتا ہے
دولتِ حسنِ شفاعت پائی اور مفلس مشہور ہوا

مدینہ منورہ ۱۴ مارچ ۱۹۸۴ء

○

جب میں تھک کر اپنا حوصلہ ہار چلا
راہ میں مجھ سے آگے میرا غبار چلا
آس کا آخری سکّہ بھی جب ہار چلا
ہاتھ پسارے داتاؐ کے دربار چلا
چھوٹی سی پونجی تھی ان سے نسبت کی
اور اسی سے زیست کا کاروبار چلا
اب یہ فکر ہے کیسے قرض چکاؤں گا
اب تک ساہوکار سے خوب اُدھار چلا
بستی بھر میں ایک یہی گھر باقی تھا
اِس دَر پر بھی اپنا نام پکار چلا
تھوڑی سی تھی لیکن اکلِ حلال تھی وہ
اور اسی سے اپنا سب گھر بار چلا
اک دنیا تو اور درونِ ذات بھی ہے
ہمسفرو! میں اپنے دل کے دیار چلا

سب سے پہلی گواہی میرے جَد نے دی
پھر تو یہ منصب مجھ تک سلسلہ وار چلا
میں نے اپنا چہرہ خود ہی بگاڑا تھا
اک صورت گر میری شکل سنوار چلا
جس کو واپس آنا ہو، وہ غور کرے
میں تو پھونک کے کشتی اور پتوار چلا
اب تو صبحِ وصال مِرا حق ہے سرشار
میں یہ ہجر کی لمبی رات گزار چلا

۹ دسمبر ۱۹۸۴ء

○

اس نام پہ دل دھڑکا، پھر گھر میں کہاں ٹھہرے
ہم کو یہ اشارے بھی آوازِ اذاں ٹھہرے

نعتوں میں برتتے ہیں آداب عبادت کے
ہرچند غزل میں ہم شوریدہ بیاں ٹھہرے

ہم سنتِ ہجرت سے، پہلے ہی مشرف ہیں
وہ شہر مدینہ، ہے ہم لوگ جہاں ٹھہرے

اظہار عقیدت میں جو لہجہ تراشوں میں
وہ میرے زمانے کا انداز بیاں ٹھہرے

سرکارؐ کے قدموں سے اٹھ کر دلِ دیوانہ
جائے تو کہاں جائے، ٹھہرے تو کہاں ٹھہرے

تشکیک کی راہوں میں ایمان کی منزل تک
وہ حسنِ یقیں دے جو تاحدِ گماں ٹھہرے

اک عمر بغیر ان کے کس طرح گزار آیا
اب جن کی جدائی میں لمحے بھی گراں ٹھہرے

کیا خشک تھیں یہ جھیلیں عکسِ مہ تاباں تک
لیکن اب ان آنکھوں کا سیلاب کہاں ٹھہرے

تقدیر پہ چھوڑا ہے اس ناقۂ ہستی کو
یہ کعبہ ہے، وہ طیبہ، دیکھیں تو کہاں ٹھہرے

میں دل کے حِرا میں ہوں اور فکر ثناء میں ہوں
کہہ دو مرے سائے میں وقت گزراں ٹھہرے

جز نسبتِ صدیقی کیا نام و نسب اپنا
ہم ان کے رفیقوں کے قدموں کے نشاں ٹھہرے

سرشار مرا مصرع، میری ہی سوانح ہے
تدبیر یہاں روکے، تقدیر وہاں ٹھہرے

۸ دسمبر ۱۹۸۴ء

○

اک بے زباں گواہِ یقیں چھوڑ آئے ہیں
کعبے میں اپنا نقشِ جبیں چھوڑ آئے ہیں

روضہ بھی جس زمیں پہ ہے منبر بھی، گھر بھی ہے
وہ آسماں صفات زمیں چھوڑ آئے ہیں

حاضر ہوئے تھے زیست کی محرومیوں کے ساتھ
لوٹے تو یہ عذاب وہیں چھوڑ آئے ہیں

جس سرزمیں پہ آج بھی ہے بابِ جبرئیل
اس سرزمیں پہ عرش بریں چھوڑ آئے ہیں

وہ روضۂ رسولؐ ، وہ صدیقؓ کا مزار
اک شہر علم و شہر یقیں چھوڑ آئے ہیں

آرام گاہِ حضرتِ فاروقؓ کی قسم ،
ہم اعتبارِ فتحِ مبیں چھوڑ آئے ہیں

سرشار واپسی پہ یہ عالم ہے، جس طرح
ہم ساری کائنات کہیں چھوڑ آئے ہیں

مدینہ منورہ ۲۴ مارچ ۱۹۸۴ء

اپنا قیامِ حرم ہوش رُبا ہوگیا
لمحوں کے پر لگ گئے وقت ہوا ہوگیا
دل ابھی ٹھہرا نہ تھا، دل کو یہ کیا ہوگیا
ہجر مسلسل کا زخم پھر سے ہرا ہوگیا
دیدہ و دل بن گئے کاسۂ رحمت طلب
اور مرا ہر نفس، دست دعا ہوگیا
خاک کی قامت کہاں، پر توِ رحمت کہاں
دیکھ یہ سایہ مرا، مجھ سے بڑا ہوگیا
آب و ہوائے حرم ! یہ تیرا لطف و کرم
نخلِ یقیں ایکبار پھر سے ہرا ہوگیا
مجھ پہ ترے عشق کی آیتیں نازل ہوئیں
صحنِ حرم بھی مجھے غارِ حِرا ہوگیا
کاسۂ دل بھر دیا، کیسۂ جاں بھر دیا
میری طلب سے سوا مجھ کو عطا ہوگیا
معجزۂ شوق ہے مسجد ذوالقبلتین
قبلہ بھی انؐ کے لیے قبلہ نما ہوگیا

مدینہ منورہ

۱۸ مارچ ۱۹۸۴ء

○

عہدِ سیہ میں جب بھی زباں پر نورِ حراؑ کا نام آیا ہے
تاریکی میں مشعلِ جاں روشن رکھنے کا پیام آیا ہے
فکر کے اس لب بستہ سفر میں ایک ایسا بھی مقام آیا ہے
انؐ کی طرف سے روح کی خاموشی کو اذنِ کلام آیا ہے
مولاؐ ! ہم پھر بولہبوں کی سازش کی یلغار میں ہیں
آقاؐ ! ہماری دنیا میں پھر بوجہلوں کا نظام آیا ہے
حق کی صدائیں گونج رہی ہیں دل سچائی سے خالی ہیں
ساغر سب ہی ناپختہ ہیں جن میں بادۂ خام آیا ہے
ملک خدا پھر تنگ ہے ہم پر، آؤ پھر انؐ کو یاد کریں
پہلے بھی جب وقت پڑا ہے ان کا نام ہی کام آیا ہے
یوں مشقِ تبلیغ ہوئی ہے جاری آپ کی امت پر
جیسے ابھی اترا ہے قرآں، جیسے ابھی اسلام آیا ہے
میری غمِ تنہائی کی دنیا محفل بن کر جھوم اٹھی ہے
گوشۂ جاں کی خلوتِ خاص میں ایسا اک پیغام آیا ہے

جتنے نقش کشید کئے تھے سب ہی نقشِ خیالی ٹھہرے
اسمِ محمدؐ، لوحِ یقیں پر بن کر حرفِ دوام آیا ہے
کاسۂ چشم سے کیسۂ جاں تک سب معمورۂ نور ہوئے ہیں
انؐ پر ایک درود جو بھیجا اس کا یہ انعام آیا ہے
وہ اک نام وظیفہ میرا، اس کی مدح وطیرہ میرا
غارِ حرا میں جس بندے کو اس کے رب کا سلام آیا ہے
آخرِ عمر میں پہنچا لیکن گھر بھی وہی تھا در بھی وہی تھا
کون اسے گمراہ کہے جو صبح کا بھولا شام آیا ہے
سرکش نفس پہ قابو پانا، میرے بس کی بات کہاں تھی
ان کا اشارہ پایا تب یہ وحشی زیرِ دام آیا ہے
اپنی عرضِ وفا کا تحفہ سرشار ان کی نذر کروں میں
جن کی باتیں کرتے کرتے مجھ کو طرزِ کلام آیا ہے

کراچی

۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ

۶ دسمبر ۱۹۸۴ء

○

خوشا، جلوۂ آشکارِ محمدؐ
مجھے مل گئی رہ گزارِ محمدؐ

تمنا ہو کیا اب بہشتِ بریں کی
کہ میں دیکھ آیا دیارِ محمدؐ

مجھے عرش ہے، میری معراج ہے یہ
کہ ہوں رُوبروئے مزار محمدؐ

وہی رمزِ اوّل، وہی امر آخر
اَزل تا ابد اقتدارِ محمدؐ

براھیمؑ نے جو گلستاں بنایا
اب اس پر ہے رنگِ بہارِ محمدؐ

جبیں خم ہے فرضِ عبادت میں لیکن
یہ دل ہے عقیدت گزارِ محمدؐ

سب آفاتِ ارض و سما سے بچا ہوں
پنہ گاہ میری حصارِ محمدؐ

خدا کی زمیں بتکدہ بن گئی تھی
فرشتوں کو تھا انتظارِ محمدؐ
وہی محرمِ وحیِ اول بھی ٹھہریں
جو تھیں مونس و غمگسارِ محمدؐ
وہ میرا حوالہ، مرا جدِ اعلیٰ
وہ صدیقؓ، وہ جاں نثارِ محمدؐ
خُدا پر جو سرشار میرا یقیں ہے
وہ ہے حاصلِ اعتبارِ محمدؐ

۲۱ نومبر ۱۹۸۴

○

ہر طرف ان کی جلوہ فرمائی
اور میں دم بخود تماشائی

انؐ کے قدموں میں جا کے کام آئی
ورنہ اِک رسم تھی جبیں سائی

میرا یہ حال جیسے انؐ کے حضور
میں نہ آیا، مری خبر آئی

ان فضاؤں میں یہ کھلا مجھ پر
سانس لیتی ہے اب بھی سچائی

ان کا جلوہ بسا ہے آنکھوں میں
ورنہ کیا اعتبارِ بینائی

اِک حقیقت ہیں وہ بس ان کے سوا
ہر حقیقت قیاس آرائی

آنکھ، کم ظرف تھی چھلک اٹھی
کس کو دکھلاؤں دل کی گہرائی

عمر بھی سو کے کاٹ دی سرشار
بس اٹھو، زندگی کی شام آئی

۲۵ دسمبر ۱۹۸۴

○

پیام آیا ہے بارِ دگر مدینے کا
پھر ایک بار رہے گا سفر مدینے کا

نفس نفس میں درود اور قدم قدم پہ سلام
یہی تو ہے مجھے رختِ سفر مدینے کا

مجال ہے کوئی گُمراہ کر سکے مجھ کو
سفر ہے مکّے کا اور راہبر مدینے کا

مدینے میں نہیں مِلتا جو کوئی گھر، نہ ملے
کہ میں نے دل میں بنایا ہے گھر مدینے کا

ہزار بار بلائیں، ہزار بار آؤں
کبھی نہ ختم ہو یا رب سفر مدینے کا

(تیسری بار سعادتِ عمرہ کی سوغات)

○

میں اپنے حرفِ مدح کو یوں مُحترم کروں
لوحِ یقیں پہ اسمِ "محمدؐ" رقم کروں

ہر اِک مقامِ گریہ سے گزرے وفورِ شوق
دامن کو تر کروں، کبھی پلکوں کو نم کروں

کچھ بھی بجُز درود نہ یاد آئے اور میں
دیوانوں کی طرح سے طوافِ حرم کروں

لکھنی ہے آنسوؤں کی زباں میں جو دِل کی بات
پہلے اِن انگلیوں کو تو اپنی قلم کروں

آتش کدے میں پھول کِھلا دوں بنامِ عِشق
اس دل کو اُنؐ کے ذِکر سے رشکِ اِرم کروں

تہذیبِ التجا مجھے تعلیم کر، کہ میں
دربارِ مصطفیٰؐ میں سوالِ کرم کروں

(چوتھی مرتبہ زیارتِ حرمین کا تحفہ)

○

تڑپ، جو پچھلے برس سے تھی میرے سینے میں
پھر ایک بار بلایا گیا مدینے میں

نہ ہوش ہے، نہ خبر ہے، نہ فکر ہے، نہ خیال
مگر عجیب مزا ہے یہاں کے جینے میں

گلوں سے ملتا، صبا سے کلام کرتا ہوا
درود پڑھتا ہوا آگیا مدینے میں

جو ظہر صحنِ حرم میں پڑھی تو دھوپ کے ساتھ
گلاب کھلنے لگے ہیں مرے پسینے میں

خلوصِ نعت کا جذبہ ہے مشترک، لیکن
جدا ہوں سب سے میں اظہار کے قرینے میں

عجیب دوست ہے "واصل(۱)" دعاؤں سے جس کی
پہنچ ہی جاتے ہیں ہر سال ہم مدینے میں

ہزار شورشِ طوفاں ہو، مجھ کو کیا سرشار
کہ میں تو ہوں شہِ لولاک کے سفینے میں

۱۔ پروفیسر واصل عثمانی (مقیمِ جدہ)

مدینہ منورہ ۲۵ ویں شبِ رمضان المبارک ۱۳۰۹ھ

○

حاصلِ دین و دنیا مرے سامنے
میرا شہرِ تمنا مرے سامنے

میرے آقاؐ کا روضہ مرے سامنے
ایک زندہ کرشمہ مرے سامنے

درمیانی جھروکا مرے سامنے
مرقدِ جدؐ اعلا مرے سامنے

بابِ جبریلؑ ہے میرے پیشِ نظر
آسمانی دریچہ مرے سامنے

نکہتِ جنتِ جاں نفس در نفس
عرش زینہ بہ زینہ مرے سامنے

محوِ آرام قرآنِ ناطقؐ یہاں
آیتوں کا خلاصہ مرے سامنے

سب زمان و مکاں حرفِ باطل ہوئے
آگیا انؐ کا چہرہ مرے سامنے

تشنگی معجزہ بن گئی ہے مجھے
جس طرف جاؤں دریا مرے سامنے

اک تصور کی تجسیم تھی ذہن میں
آگیا اک سراپا مرے سامنے

مدینہ منوّرہ (۱۹۸۹ء)

اجالے ذہن میں ہیں، روشنی ضمیر میں ہے
کہ خاکِ کوئے مدینہ مرے خمیر میں ہے

یہ دل ہے یادِ رسالت مآبؐ سے معمور
متاعِ کون و مکاں کاسۂ فقیر میں ہے

مدینے جاؤں، سبکدوش مدعا ہو جاؤں
یہ اک عظیم امانت دلِ حقیر میں ہے

ہوائے کوئے مدینہ، فضائے صحنِ حرم
یہ دل مسلسل اُسی کیفِ دلپذیر میں ہے

زمینِ شعرِ ثنائے نبیؐ ہے عرش مقام
کہاں یہ رفعت ادراک چرخِ پیر میں ہے

دھڑک رہا ہے دل کائنات کی صورت
وہ رازِ کن، جو ابھی وقت کے ضمیر میں ہے

مدینے پہنچوں گا یارو، ضرور پہنچوں گا
کہ یہ سفر تو مرے ہاتھ کی لکیر میں ہے

مری شریعتِ کردار صاف گوئی ہے
وہی زباں پہ ہے سرشار جو ضمیر میں ہے

۱۹۸۹

○

نہ ہوشِ ہستی، نہ جوشِ مستی، عجب فضا ہے، عجب سماں ہے
شہود اور غیب روبرو ہیں، بس ایک پردہ سا درمیاں ہے

اُدھر ہے حجرہ، اِدھر ہے منبر اور ان کے مابین دیدۂ تر
یہ چند لمحات اک طرف اور اک طرف عمرِ رائگاں ہے

ترا کرم ہے جو روز و شب یوں قلندرانہ گزر رہے ہیں
کہ ہم کم اوقات لوگ ہیں اور وقت کس درجہ مہرباں ہے

بہت توجہ سے پرسشِ حالِ دل وہ فرما رہے ہیں، لیکن
بجز سرشکِ ندامت ان سے جسارتِ عرضِ غم کہاں ہے

ہمارا ایمان روح پر ہے، تو پھر یہ کیا شرط جسم و جاں کی
جو اپنی امّت کا راہ برّ ہے وہ اپنی امّت کے درمیاں ہے

○

مطلعِ فکر پہ روشن ہے رسالتؐ کا کنول
کہ مجھے نعت کے اسلوب میں لکھنی ہے غزل
پھر کسی روح کے صحرا کا مقدر جاگا
پھر مدینے سے اٹھے لطف و کرم کے بادل
ہاں قدم بوسی کے جذبے میں صداقت بھی تو ہو
خود بدل جاتے ہیں سب ہجر کے اسباب و عِلَل
مرحبا صَلِّ علیٰ یادِ مدینہ آئی
یوں بھی احساس کے ویرانوں میں کھلتے ہیں کنول
یورشِ غم میں وہ گیسو مجھے یوں یاد آئے
جیسے چھا جائیں کڑی دھوپ میں گھرے بادل
روشنی حرفِ ہدایت ہے کسی نام سے ہو
عرش سے غارِ حِرا تک وہی اک نورِ ازل
یہ اسی ذاتِ گرامی کا کرم ہے سرشار
جگمگا اٹھا مری نعت سے ایوانِ غزل

کلیمِ ازل

قسم ہے قلم کی
اور اس شے کی
جو اس قلم نے رقم کی
کہ آپؐ اپنے رب کے کرم سے
نہ مجنون ہیں (اور نہ ساحر)
یہ سب آپ پر
فاتر العقل کفار کا افترا ہے
وہ کفار جن کے ضمیروں پہ قفلِ جہالت پڑا ہے
آپؐ نے دعوتِ حق میں
تبلیغِ وحدانیت میں
جو کچھ بھی کہا ہے
وہ سب خالقِ دو جہاں کی رضا ہے

اے ازل کے کلیم
آپ کے واسطے
یہ رسالت کا منصب
یہ وحی و کلام
آپ کے رب کا اجرِ عظیم
اور اس اجر کا سلسلہ تا اَبد ہے
(یہ رب کی سند ہے)
آپ بے شک
بڑے خُلق کے مرتبے کے امیں ہیں،

پیغامبر اور پیغام

محمدؐ کا مسلک
ہر ابہام سے
سارے شبہات سے پاک ہے
اور قرآن
یعنی کتاب جلیل
اس کی وحدانیت اور یکتائی کی
ایک روشن دلیل

" The Creed of MOHAMMAD
is free from the suspicious
of ambiguity, and QURAN
is a glorious testimony
to the unity of GOD."

Gibbon
From: Decline and Fall
of Roman Empire.

ایمانِ ناطق

عظیم ہستی کا قلبِ سوزاں
الاؤ تھا فکر و آگہی کا
اور ایسا آتشکدہ تھا
جس میں نجاتِ انساں کے
خواب لَو دے رہے تھے
گویا
وہ دل نہ تھا
شعلۂ یقیں تھا
جو بے یقینی کی
سرد و بے مہر تیرگی میں
حرارت و روشنی کا
اک زندہ معجزہ تھا

" This Great fiery heart,
seathing, simmering
like a great furnace
of thoughts ......"

Thomas Carlyle

چراغِ مسجد و محراب و منبر

جدِ اعلیٰ

نبیؐ کے بعد مِرا جَد ہے جس کا پہلا گواہ
وہ رَمزِ اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلّا اللہُ
وہ شہرِ علمؐ، فصیلِ یقیں میں ہے آباد
حصارِ بازوئے صدیقؓ ہے کہ شہر پناہ

ہم سفر

وہ مسجد ہو کہ گھر ہو
کہ وہ صحرائے بے دیوار و در ہو
جدھر بھی
میرے آقاؐ کا گزر ہو
وہیں صدیق اکبرؓ جلوہ گر ہیں
رفیق معتبر ہیں
ہم سفر ہیں

حُنین و بدر کے میدان میں
شانہ بہ شانہ
جہاد امن میں
پہلو بہ پہلو
جہاں گُل ہے
وہیں خوش بو

عجب تھا ہم خیالی کا یہ انداز
بنے غار حرا کے محرم راز
پھر اس کے بعد آیا اور اک دَور
ہوئے جب ہم نشین خلوت ثَور
جہاں سے تھا مدینے کا ارادہ
پا پیادہ

اگر راہوں میں دشت خار آتے
تو فرشِ راہ بن کر
اپنی پلکوں سے وہ کانٹے چن لیا کرتے
جو سورج سر اٹھاتا
تو اس کے اور اپنے ہم سفر کے
درمیاں آکر
مثال ابر اک دیوار بن جاتے

سفرِ ہجرت کا ہو
یا آخرت کا
تہہِ افلاک بھی ساتھ
اور اس کے بعد
زیرِ خاک بھی ساتھ

اسے کہتے ہیں تکمیلِ رفاقت
نبوت کی گواہی کی سعادت
خدا رکھے یہ قربت
تا قیامت

حرزِ جاں

صدیقؓ انؓ کا لقب بھی انؓ کی سیرت بھی
ان کا ذکر سعادت بھی ہے عبادت بھی
انؓ کے در کو چھوڑ کے میں جاؤں بھی کہاں
انؓ کے گھر میں خزانہ بھی ہے قناعت بھی
عشق وفا سے، علم یقین سے قائم ہے
ورنہ عشق اور علم کی کوئی حقیقت بھی؟
صرف انؓ کا اور ان کے نبیؐ کا ذکر کروں
کارِ جہاں سے فرصت بھی ہے فراغت بھی
شاہِ اممؐ کا حکم اشارہ قدرت کا
آپؐ نے فرمائی امّت کی امامت بھی
حق گوئی میراث مرے اجداد کی تھی
پہنچادی ہے بچوں کو یہ امانت بھی
ہوں ننگِ اسلاف، مگر پھر بھی سرشار
انؓ سے تعلق بھی ہے ان سے نسبت بھی

عین الیقین

جو اپنے کردار کے حوالے سے
خود ہی شمشیر بے اماں ہے
برہنہ تلوار سونت کر
مثل موج صرصر
یہ کس کی جانب
رواں دواں ہے

وہ ایک مرد کشیدہ قامت
عیاں ہے چہرے سے
اس کی سفاک سُرد نیّت
فضا پہ طاری ہے
اس کے غیظ و غضب کی ہَیبت
ارادے سب بے نقاب اس کے
عرب قبائل کا جذبہ انتقام ہے
ہر کاب اس کے

وہ جارہا ہے
کہ لاالہ کہنے والا انساں
جوایک اللہ کی عبادت کی دعوت عام دے رہا ہے
خدا کا پیغام دے رہا ہے
جو بت پرستی کو
کفر کا نام دے رہا ہے
نعوذ باللہ اسے سزا دے
وجود اس کا
مثال حرف غلط مٹا دے

مگر یہ کیا؟
راستے میں اس گھر کے
ایک گھر اور آگیا ہے
وہ گھر کہ جس گھر کے بام و در
نغمہ یقیں گنگنارہے ہیں

وہ گھر کہ جس گھر کے رہنے والے
خدائے واحد کا نام لے کر
جبینیں اپنی جھکا رہے ہیں
وہ رک گیا ہے
وہ بے ارادہ ٹھہر گیا ہے
کہ حرفِ الہام
حق کے پیغام کی صدا
اس کی روح میں
روشنی کا مینار بن گئی ہے
اور اس کے عزم مصمم کے
راستے کی دیوار بن گئی ہے
سماعتوں پر
ضمیر کے باب کھل رہے ہیں
جو داغ تھے
دل پہ بے یقینی کے
کفر کے
سب ہی دھل رہے ہیں

وہ جس کی جبروت پر
عرب کے سبھی قبیلے
یقین رکھتے تھے
ایک عاجز بشر کے صورت
خدا کے پیغام برؐ کے قدموں پہ
سَرنگوں ہے

جھکے ہوئے سر کی اُس ادا پر
خدا نے
اپنے نبیؐ کی اُمت کو
سربلندی کے معجزوں کا امَیں بنایا
وہ سب فُتوحات
جو بظاہر
قیاس و وہم و گُماں سے عاری تھیں

خُدا کے پیغام برؐ کے قدموں پہ
سرِنگوں ہے

جُھکے ہوئے سر کی اُس ادا پر
خُدا نے
اپنے نبی کی اُمتِ کو
سربُلندی کے معجزوں کا امَیں بنایا
وہ سب فُتوحات
جو بظاہر
قیاس و وہم و گُماں سے عاری تھیں
ابنِ خطابؓ کے حوالے سے
ان کو عین الیقیں بنایا

جامع القرآن

نورِ خدا کے محرم
یعنی ختمِ رُسُل کے
دونوں افضل نور جسے تفویض ہوئے تھے
اور جسے خود نورِ ازل نے
"ذوالنورینؓ" کا نام دیا تھا
جس نے
وحیِ خداوندی کی
آیت آیت یکجا کر کے
معجزۂ ایماں کو مرتب فرمایا تھا
جس نے
دین کی نُصرت
اور خدا کے بندوں کی خدمت کی خاطر
اپنے گھر کا تنکا تنکا
اپنے آقا کے قدموں میں بچھا دیا تھا

مشرق اور مغرب میں پھیلی
سلطنتوں کا حاکمِ اعلیٰ
اپنے شکستہ حجرے کی
کچی دیواروں میں محبوس تھا
ہفتوں کا بھوکا پیاسا تھا
تنہا تھا
اور اس کے دستر خوان پہ پلنے والے
جاہ و حشم کی حرص میں اندھے لوگوں نے
اس سچے، درویش صفت، مخلص انساں پر
پشت سے ایسے وار کئے تھے
جن کی گواہی
خون کی چھینٹوں کی صورت میں
قرآں کے صفحات پہ آج بھی زندہ ہے
جب تک وحیِ الٰہی
سینوں میں محفوظ ہے
وہ بھی پائندہ ہے

قتلِ بے قصاص

وہ ہابیل ہو یا قابیل ہو
جو بھی قتل ہوا
مظلوم تھا
جس نے قتل کیا
ظالم تھا

آدم سے
اِس دم تک
جتنے قتل ہوئے ہیں
زہر کا پیالہ پینے والے لوگ تھے
یا مصلوب ہوئے تھے
یا وہ بدر کے میداں میں تھے
یا کوفے کی راہ میں تھے

یا اپنے ہی صبر و یقین کی
دیواروں کی پناہ میں تھے
سب مظلوم ہیں ہم کو پیارے
سب مقتول شہید ہمارے

مقتولوں کے نام کی صورت
سفاکوں کے نام بھی
ہم سے چھپے نہیں ہیں
لیکن
آج سے تیرہ صدیاں پہلے
شہر رسولؐ میں
مسند اور منبر کی خاطر ایک ایسا بھی
قتل ہوا ہے
جس کا مجرم
سامنے ہے
اور چھپا ہوا ہے

حرفِ جلی

وہ علم و حلم کا پیکر
جسے علیؓ کہئے
جو اپنے پیش رَوؤں کا حلیف تھا
وہ علیؓ
منافقوں کا جو پہلا حریف تھا
وہ علیؓ

وہ اس کا فقر و قناعت
وہ اس کا جوشِ شجاعت
وہ اس کا شوقِ شہادت
اُسی پہ ختم ہوا
علیؓ کے بعد
پھر اس کی مثال بھی نہ ملی

حقیقتِ شبِ ایثار کون بھولے گا
یہ رسم بھی تو اسی شخصِ معتبر سے چلی
کہ جس کا نام علیؓ
اسی کے نام پہ
رکھئے اساسِ قصرِ حیات
اسی کا نام رقم کیجئے
بہ خطِ جلی

جزوِ کُل

ہر مشکل میں
ہم نے ہمیشہ
پہلے خدا کا نام لیا ہے
آپ کی سیرت سامنے رکھ کر
صبر و رضا سے کام لیا ہے
آپ کا دامن تھام لیا ہے

آپ کا دامن
رشتہ بہ رشتہ
درجہ بہ درجہ
اس دامن ہی کا حصہ ہے
جس کا سایہ
عکسِ شفاعت
جس کا سہارا
آخری قوت
جس کا نام
خدا کی رحمت

وابستگانِ رسولؐ

خدیجتہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

وہ نورِ روزِ ازل
وجہِ خلقِ حسن و جمال
وہ کائنات میں
خالق کا منتہائے کمال
ابد تک اس کا نہ ثانی
نہ کوئی اس کی مثال

ترا کمالِ بصیرت
ترا پیام ہوا
ترا جمالِ رفاقت
اُسی کے نام ہوا
جو ایک شخص تھا
یکتائے عالم ایجاد
مری بساط ہی کیا ہے
کہ لب کشائی کروں
فرشتے دیں گے
ترے حسنِ انتخاب کی داد

۲۳ اگست ۱۹۸۸ء

امّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ

وہ لمحے
وہ فراقِ دائمی کے سخت لمحے
جو تیری دھڑکنوں میں جذب ہو کر
جاوداں ٹھہرے

خدا کے آخری پیغامبر کی
حیاتِ ظاہری کے
آخری سانس
ابد تک
تیرے آغوشِ وفا کی
امانت ہیں وہ انفاس

کیسے ہوگا تیری عظمت کا احساس
کہ اہلِ بیت کی تکریم و تحریم
خدیجہؓ سے ہوا آغاز جس کا
تری تقدیس پر آ کر ہوئی ختم

۳ ستمبر ۸۸ء

حلیمہ سعدیہؓ

تو بھی ہے منتخبِ روزِ ازل
تیری تخلیق کا راز
مصلحت اور مشیت کا جواز
خالقِ کون و مکاں کا منشا
اس کے محبوب کی تقدیر کا رزق
تیرے سینے میں اتارا جائے
تجھے ماں کہہ کے پکارا جائے

ماں!
ترا دودھ
(ترے خونِ رگِ جاں کی کشید)
بن گیا سارے زمانے کے لئے
موجۂ نور کی مانند
سیہ بختوں کو
صبحِ رحمت کی نوید

تیری آغوش کو
قدرت کا انوکھا انعام
لہجۂ عبد میں
معبود کا اندازِ کلام
ابنِ آدم کو
ابد تک کی ہدایت کے لئے
خالق روزِ ازل کا پیغام

اُسی پیغام کا
ہر لمحہ سفر جاری ہے
ماں !۔
ترے دودھ کا فیضانِ اثر جاری ہے

میزبانِ رسول

وہ کیسا قافلۂ رنگ و نور تھا سرشار
غبارِ راہ اٹھا بھی تو
سر جھکا کے اٹھا
جو ذرہ قدموں سے مس ہو گیا
وہ فخر سا تھ
زمیں سے دوش ہوا پر
قدم جما کے اٹھا

سموم، موجِ صبا سے سوا مہکنے لگی
خود اپنی شوخیِ رفتار سے بہکنے لگی
بلند و پست کے
سارے بدل گئے تھے اصول
فلک نے سر پہ اٹھا لی
زمین شہرِ رسولؐ

ہجومِ اہلِ وفا کا عجیب تھا احوال
دل و نظر تھے شریکِ جلوسِ استقبال
دلوں کے گنبدِ بے در میں
"یا حبیب" کی گونج
فضا میں صلِ علیٰ، مرحبا کی آوازیں
زباں پہ زمزمۂ شوق
اور ہاتھ میں دف
اِدھر قطارِ ضعیفاں
اُدھر جوانوں کی صف
رواں تھا قافلۂ اعتبار
گام بہ گام
اس ایک روح کی جانب
اس ایک دل کی طرف
کہ جس میں پہلے ہی گھر کر چکا تھا عرش نشیں
کہ جس میں پہلے ہی آباد ہو چکا تھا مکیں

جہاں پہ حکم مشیت تھا
اور وعدہ تھا
اسی مقام پہ آکر
ٹھہر گیا ناقا
تو ایک شخص نے
جذبات احترام کے ساتھ
وفور شوق میں آواز دی
"مرے آقا!"
یہ التجا، یہ دعا میری ہوگئی مقبول
خدا نے مجھ کو بنایا ہے "میزبان رسول"

۱۶ فروری ۱۹۹۰ء

سید الشہداء

نبیؐ کے عمِ مکرم
خدا کے بندۂ خاص
وفا کے رمز شناس
جو دینِ حق کے لئے وجہِ امتیاز ہوئے
جو مغفرت کی بشارت سے سرفراز ہوئے
جنہیں خدا نے عطا کی
شہادتِ کبریٰ
جنابِ حمزہؓ
لقب جن کا سیّد الشہداء
شہیدِ رزمِ اُحَد
کہ جن کے رتبۂ عالی پہ ہے کتاب، سَنَد

۵ ستمبر ۱۹۸۸ء

علامت

ذہن کے عرش سے
فرشِ قرطاس پر
جتنے الفاظ نازل ہوئے
سب ہی زندہ صحیفوں میں شامل ہوئے

لفظ جن کی گواہی
بصارت نے دی
لفظ جن شہادت
سماعت نے دی

لیکن ایسے بھی کچھ لفظ ہیں
جو خود اپنے ہی اوصاف میں
اپنی ہی ذات میں
یعنی فرہنگِ وجدان و احساس کی اصطلاحات میں
اختصاصِ معانی کے حامل ہوئے

جن کی تفہیم کی شرط
وجدان ہے
حسنِ عرفان ہے
اور عرفاں، بصیرت کا عنوان ہے

ایسے ہی چند الفاظ میں
ایک لفظ جلی
اسم ابن علیؓ
یعنی شبیرؓ ہے
کربلا جس کے معنیٰ کی تفسیر ہے
تشنگی جس کی جاگیر ہے
اور ہر دور میں حشر تک
جبر کے سامنے
حرف حق جس کا اعلان ہے
اور نصر من اللہ تقدیر ہے

بنامِ حسینؓ

ہجوم جبر میں جو شرح استقامت ہے
وہ ایک فرد نہیں ہے وہ ایک امت ہے
بس ایک نام سمجھ کر نہ اس کو یاد کرو
حسین جذبہ ہے، کردار ہے، علامت ہے
ضمیر صبر و رضا، بس سکوت ہی تو نہیں
مزاج میں یہی خاموشی اک قیامت ہے
بنام حق و صداقت جو کربلا میں بہا
اُسی لہو کی حنا، ایشیا کی قسمت ہے
تمام عالم امکاں ہے کربلا کی مثال
پھر اس زمانے میں شبیرؓ کی ضرورت ہے
فراز عرش نشیں ہے مقام دل زدگاں
غم حسین تو معراج آدمیت ہے
اس اقتدار کی مدحت کے دور میں سرشار
لبوں پہ ذکر شہادت بہت غنیمت ہے

بلالِ حبشیؓ

ہر لہجے کی اک شخصیت
ہر آواز کا اک کردار
جس لہجے میں روح شریک ہو
جس آواز میں دل شامل ہو
اس کا ایک الگ معیار
ایسا لہجہ
اور ایسی آواز
فقط تیرا شہ کار

وحدت کا اعلان
بیت اللہ میں پہلی اذان
تیرے لہجے کی پہچان
نصرت کا آغاز
تری آواز

کہ جس کی دعوت پر
صف بستہ ہو کر
صحنِ حرم میں پہلی نماز
اور مقامِ ابراہیم پہ
سجدۂ اوّل کا اعزاز

عزمِ عمرؓ
اس عیدِ عبادت کا پس منظر
یا پھر تیرا لہجہ اور تیری آواز
جب تک عرش و فرش پہ
یہ تکبیریں گونجیں
تیری عمر دراز

۶ ستمبر ۱۹۸۸ء

پسِ غبارِ آئینۂ ذات

جُز نسبتِ صدّیقی کیا نام و نسب اپنا ؟
ہم اُن کے رفیقوں کے قدموں کے نشاں ٹھہرے

تعارف

عجیب شخص ہوں، میں بھی عجبِ لطیفہ ہوں
ثوابِ کُفر ہوں، اور حاصلِ وظیفہ ہوں
مِرے یقین کی تفہیم اتنی سہل نہیں
کہ آشنائے رموزِ نبو سقیفہ ہوں
مجھے بھی کوفۂ شعر و سخن سے نِسبت ہے
مگر شریعتِ فن میں اَبُو حنیفہ ہوں
جو شہرِ علم و یقیں کا ہے صدر دروازہ
میں اُس کی نِسبتِ تصدیق کا صحیفہ ہوں
وہ پہلا دوست خدا کے رفیقِ آخر کا
میں اپنے نام میں اُس اِسم کا وظیفہ ہوں
جو میری رُوح نے پیماں کیا تھا روزِ ازل
میں اپنے آخری لمحوں میں اُس کا ایفا ہوں

۱۹۸۵ء

گواہی

تم نے شاید
کلمہ پڑھتے
اور گواہی دیتے پتھر
کبھی نہ دیکھے ہوں

آؤ تو پھر
میں کلمہ پڑھ کر
تم کو گواہ بناتا ہوں

صنم کدہ دل کا

یہ دل
جس کو بنایا ہے
مری حرص و ہوس نے
گناہوں کی کمیں گاہ
جہاں میری تمناؤں کے
وہ خاموش بت ہیں
جنہیں بے منّتِ تیشہ
مرے ناعاقبت اندیش
خوابوں نے تراشا
جو خود میرے لئے سامانِ عبرت
جو غیروں کو تماشا

یہی دل
جب اَزل کے دن ملا تھا
گوشۂ غارِ حرا تھا
نہایت محترم تھا
یہی دل
وسعتِ صحنِ حرم تھا

نصیب کی بات

آئینے تبدیل ہوئے ہیں
یا میری صُورت بدلی ہے؟
لوگوں کی حیراں آنکھوں میں
اپنا چہرہ دیکھ رہا ہوں
اور اُسے پہچان رہا ہوں
کیا یہ میں ہوں؟
شاید میں ہوں
لیکن سُوکھے پیڑ کی
ٹوٹی شاخ پہ آخر
کونپل کیسے پھوٹی ہے؟
کیا قدرت بھی جھوٹی ہے؟

مدینہ منورہ
۲۸ مارچ ۱۹۸۶

محور

یہ فاصلے بھی مرے واسطے مبارک ہیں
کہ دوریوں میں
حضوری کی آرزو بن کر
زباں پہ حرف دعا صبح و شام رہتا ہے
دل و نظر میں سرورِ دوام رہتا ہے

مدینے جانے کی ساعت کے انتظار کا کیف
گزرتے رہتے ہیں دن
انگلیوں پہ گن گن کر
فرازِ عرش پہ رہتا ہے
ذہنِ خاک بسر
لبوں پہ مدح
تصور میں گنبد خضرا
نفس نفس میں درود و سلام رہتا ہے
تمام سال یہی اہتمام رہتا ہے

اُدھر ہے ختم یہ سال
اور، ہجر کا موسم
اِدھر مہکنے لگے ہیں وجودِ خاکی میں
وصالِ دوست کے پھول
مژہ پہ ہے متواتر
کشیدِ جاں کا نزول
بس اب یہ فاصلے معدوم ہونیوالے ہیں
بس اب زمان و مکاں کے بدل رہے ہیں اصول
وہ سجدہ کھینچے لئے جارہا ہے سوئے حرم
کہ جس کی قسمت ہے
مُہر، آستانِ رسولؐ

۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۹ء

بڑی بات

اس شیرازے میں میرے جذباتِ عقیدت کے حوالے سے مختلف صنف وصفات کی منظومات شامل ہیں۔ حمدِ رب العالمین، مدح امام المرسلینؐ، مناقبِ خلفائے راشدینؓ اور تذکارِ صحابہ کبارؓ، نیز آیاتِ ربانی اور اعترافاتِ مستشرقین کے شعری تراجم وغیرہ وغیرہ۔ میرے لئے دشوار ہے کہ مروجہ اصنافِ سخن کے تحت ان تمام نظموں کو بہ یک وقت کسی صنفِ واحد سے تعبیر کر سکوں۔ مجموعی طور پر تمام نظمیں میری عقیدتوں، محبتوں، نسبتوں اور وابستگیوں کی مظہر ہیں۔ میں انہیں اپنا وجدانی اثاثہ اور روحانی ورثہ تصور کرتا ہوں اور اسی لئے میں نے اپنی ان نظموں کے مجموعے کا نام "اساس" رکھا ہے۔

ہر چند کہ موضوع کے اعتبار سے ان تمام نظموں کا مزاج مذہبی ہے، لیکن میں نے اظہار کے لئے اپنی شاعرانہ افتادِ طبع کے پیشِ نظر ان پر روایتی عقیدے اور رسمی عقیدت کے نفوذ کے تمام راستے مسدود کر رکھے ہیں۔ مذہب کی محدودات کے نام پر شاعری کے بنیادی وظائف ومطالبات کو مجروح ہونے سے بچایا ہے اور روایتی ہیئت واسلوب سے شعوری طور پر احتراز کرتے ہوئے خالصتاً شعری زبان اور فطری لہجے میں بات کی ہے۔

معذرت خواہی میری سرشت میں نہیں۔ جب عملاً اشتراکی بلکہ انقلابی تھا اس وقت بھی مسلمان ابن مسلمان ہونے پر فخر کرتا تھا اور اپنی پہچان کے لئے اپنے نام کے ساتھ "صدیقیت" کا امتیازی نشان ناگزیر سمجھتا تھا۔ یوں بھی کہ ایک مثالی اشتراکیت پسند مردِ مومن کی زندہ مثال میرے سامنے تھی۔ حضرت مولانا حسرت موہانی میرے اپنے ہی شہر (کانپور) کی گلیوں میں ایک رواں دواں تحریک کی طرح نظر آتے تھے۔ ان سے قربت اور ان

کی خدمت کی بدولت نہ عاقبت پر میرا عقیدہ کبھی متزلزل ہوا نہ زندگی کے بارے میں عصری شعور، نظریاتی آگہی اور سیاسی مسلک کی توانائیاں کبھی مضمحل ہوئیں۔ اور آج بھی جب کہ میں سرکاری تحریک یا سیاسی نعروں سے متاثر ہوئے بغیر محض ضمیر کی بازگشت اور توفیق غیبی سے اپنے اعمال و افکار میں اپنے بزرگ و قابل احترام اجداد کے عقائد کا رنگ بھرنے کی جدوجہد میں شعوری طور پر منہمک ہوں، اپنے سابقہ نظریات یا وابستگیوں پر نادم نہیں۔

یہ نظمیں میں نے اپنے وجود کی بازیافت، اپنے عقیدے کی تجدید، اپنے ایمان کی توثیق، اپنی عبدیت کے اعتراف اور اپنے جذبے کی شہادت کے طور پر تحریر کی ہیں۔
"ہر شے اپنی اصل کی جانب رجوع کرتی ہے" سو میں اس سوچ، اس اندازِ فکر اور اس اسلوبِ اظہار کو اپنی اصل اور اپنی اصلیت کے علاوہ اور کیا نام دوں؟

تصدیقِ رسالت اور تہذیبِ محبت دوسروں کے لیے اکتسابی یا اختیاری صفات ہو سکتی ہیں لیکن مجھے یہ اوصاف نسبی ورثے اور نسلی خصوصیت کی بنا پر ودیعت ہوئے ہیں اور میرے لہو میں گردش کر رہے ہیں۔ میں اس جوہرِ خاص کو اللہ کی رحمت اور اپنے اجداد کی مرحمت اور اس عطائے خاص کو اپنے فکر و فن کے لیے قابلِ فخر سرنامہ تصور کرتا ہوں۔

شاعری تو صرف الفاظ کا پیرہن ہے۔ میں تو اس روح پر اصرار کروں گا جو میں نے لفظ لفظ کے وجودِ باطن میں اتارنے کی کوشش کی ہے۔ اگر ان لفظوں میں میرا لہو، میرا نسب، میرا عشق بولتا ہوا محسوس ہو تو پھر میری گواہی سچی ہے۔

سرشار صدیقی

ڈی - ۲، حق باہو پلازا
گلشن اقبال، یونیورسٹی روڈ، کراچی ۴۷
(فون: ۴۶۵۴۶۶)

اساس

ساری دنیا میں انسان اپنی جڑوں کی تلاش کر رہا ہے، اپنی اساس کو دریافت کرنے کی سعی و کوشش کی جا رہی ہے۔ اس تلاش کی ایک شکل تو ROOTS ہے اور دوسری صورت "اساس"۔ پہلی شکل تو محض ایک ماضی اور اپنے اجداد سے اپنے کو وابستہ کرنے کی تحریک ہے اور دوسری صورت اپنی روایات، اپنی ذات، اپنے حقیقی وجود، اپنے "اسم" کے تلازموں، اپنے حال، اس کائنات، اپنی آنے والی منزل اور اپنے دارالقرار کے تعین اور دید کو اپنے لئے اور دوسروں کے لئے منکشف کرنے کی کوشش ہے۔ یہ وہ کوشش ہے جو مرشدِ روم کے استعارے کے مطابق گریۂ نَے ہے۔ روحِ انسانی نَے بن کر اپنے نیستاں اور نَے نواز کی تلاش میں گریہ کناں ہے۔

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی

اس شیرازے میں میرے جذباتِ عقیدت کے حوالے سے مختلف صنف وصفات کی منظومات شامل ہیں۔ حمدِ رب العالمین، مدحِ امام المرسلینؐ، مناقبِ خلفائے راشدینؓ اور تذکارِ صحابہ کبارؓ، نیز آیاتِ ربانی اور اعترافاتِ مستشرقین کے شعری تراجم وغیرہ وغیرہ۔ میرے لئے دشوار ہے کہ مروجہ اصنافِ سخن کے تحت ان تمام نظموں کو بہ یک وقت کسی صنفِ واحد سے تعبیر کر سکوں۔ مجموعی طور پر تمام نظمیں میری عقیدتوں، محبتوں، نسبتوں اور وابستگیوں کی مظہر ہیں۔ میں انہیں اپنا وجدانی اثاثہ اور روحانی ورثہ تصور کرتی ہوں اور اسی لئے میں نے اپنی ان نظموں کے مجموعے کا نام "اساس" رکھا ہے۔

سرشار صدیقی

طاہرہ کشفی میموریل سوسائٹی جی پی او بکس ۳۲۶، کوئٹہ، پاکستان